www.urducouncil.nic.in

اگست 2018، قیمت :-/10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا
دہلی
Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 6 شمارہ: 8 اگست 2018

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

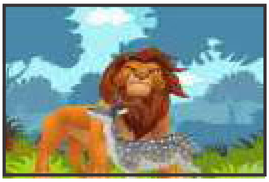

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
جشنِ آزادی	آزادی کی قدر کریں	سید قمر الحسن	06
	بھارت کی شان	محمد توحید الحق	08
	ہندوستاں ہمارا	علیم صبا نویدی	09
	مجاہد آزادی: مولانا فضل حق خیرآبادی	انصاری حفیظ الرحمن	10
	ہم کو آزادی ملی	متین اچل پوری	12
	آزادی ایک نعمت ہے	رفیق گد ب	13
نظمیں	تراوٹ کا نغمہ	عبدالرحیم نشتر	15
	میرے پاپا	خورشید انور خورشید	15
مضامین	پانی کی کہانی	محمد زاہد	16
	نیپاہ وائرس	انصاری نبیہ	18
نظمیں	پختہ عزم	درخشاں سحر	20
	سیکھو بچو	اسلم سیفی	20
کہانیاں	تڑپتی جنت	عطیہ بی	21
	سراجو اور کلوا	اظہر نیر	25
نظمیں	نیا بھارت دیش ہمارا	الیاس احمد انصاری	27
	بلڈوزر	یعقوب بن مرتضیٰ	27
کہانیاں	ننھی تیراک	قاضی مشتاق احمد	28
	انوکھی مینا	زیب النسا حیا	29
نظمیں	کھلونے	عاکف سنبھلی	31
	آیا ہے بارش کا موسم	مشتاق کریمی	32
کہانیاں	آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں	رونہ عفت راہی	33
	ہمدردی	اقبال برکی	36
	چپکا ہوا نوٹ	سلیم خان	38
ڈراما	نام اور کام	عبدالقیوم ماسٹر	40
باتصویر کہانی	پیڑ پیڑ میرا دانہ دے	سید غلام حیدر	42
کہکشاں	علی عباس امید، ناظمہ پروین، سیدہ اریبہ نایاب، سعدیہ پروین، سید مرتضیٰ سید خالق، شمائلہ گل نجمی، صدف بیگم، محمد شعیب ابن محمد سلیم، نصرین افشاں زریں		47
ننھے فنکار	علم کی اہمیت	تسمیہ حسین	58
	غلطی کا احساس	بشریٰ شیخ ذاکر	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو!

یومِ آزادی مبارک!

15 اگست کو ہر سال ہم لوگ آزادی کا جشن مناتے ہیں کیونکہ اسی تاریخ کو ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا۔ آزادی کے اتنے برسوں میں ہندوستان نے مختلف میدانوں میں جو ترقی کی ہے وہ قابلِ رشک ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی، تعلیم و تربیت، زراعت اور خلائی مشن میں ہمارے ملک نے ایک نئی تاریخ رقم کی ہے۔ ہمارا ملک پوری دنیا میں اپنی مشترکہ تہذیب کے لیے جانا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کی سب سے بڑی خوبصورتی یہ ہے کہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ مل جل کر رہتے ہیں۔

بچو! آپ سب کو پتہ ہوگا کہ ملک کی آزادی میں اردو زبان نے کتنا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسی زبان نے 'انقلاب زندہ باد' کا نعرہ دیا اور یہ زبان صرف ہندوستان نہیں بلکہ پوری دنیا میں مقبول ہوتی گئی۔ مگر اب ایک ایسی رپورٹ منظرِ عام پر آئی ہے جسے پڑھ کر ہمیں افسوس ہو رہا ہے کہ اتنی شیریں زبان کی مقبولیت میں کمی کیسے واقع ہوگئی۔ مردم شماری کے اعتبار سے یہ پہلے چھٹے مقام پر تھی مگر اب ساتویں مقام پر پہنچ گئی ہے۔ 1971 سے 2011 کی جائزہ رپورٹ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پہلا موقع ہے جب اردو بولنے والوں کی تعداد میں کمی دیکھی گئی ہے ورنہ اس سے قبل 1971 میں 2 کروڑ 86 لاکھ، 1981 میں 3 کروڑ 49 لاکھ، 1991 میں 4 کروڑ 34 لاکھ، 2001 میں 5 کروڑ 15 لاکھ اور 2011 میں 5 کروڑ 7 لاکھ اردو بولنے والوں کی تعداد درج کی گئی۔

آئین کے آٹھویں شیڈول کے مطابق 22 سرکاری زبانوں کے اس سروے میں ہندی، بنگلہ، مراٹھی، بالترتیب پہلے دوسرے اور تیسرے مقام پر جبکہ تیلگو، تمل، گجراتی، بالترتیب چوتھے، پانچویں اور چھٹے مقام پر ہیں۔ اردو ساتویں مقام پر کیسے پہنچ گئی یہ ہمارے لیے بہت ہی افسوس اور حیرت کی بات ہے۔ جبکہ اردو جموں و کشمیر کی سرکاری زبان ہے اور بعض دیگر ریاستوں اسے دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ کرناٹک، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش جیسے ریاستوں میں بھی اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ اسکولی سطح پر بھی اردو تعلیم کا نظم موجود ہے۔ پورے ملک میں اردو میڈیم اسکول ہیں۔ اس کے باوجود اردو کی مقبولیت میں جو کمی واقع ہوئی ہے یقیناً ہمارے لیے ایک خطرے کی گھنٹی ہے اور شاید اس میں قصور ہمارا ہے کہ ہم اردو کی محبت کا دم تو بھرتے ہیں مگر عملی طور پر اردو کی ترقی کے لیے کچھ بھی نہیں کرتے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو مادری زبان کی حیثیت سے اردو زبان نہیں پڑھاتے۔ مادری زبان کے کالم میں بھی اردو زبان کا اندراج نہیں کرا پاتے۔ اردو کے اخبارات اور رسائل خرید کر نہیں پڑھتے۔ شاید انہی وجوہات سے اردو بولنے والوں کی تعداد کم ہوتی جارہی ہے۔ ہمیں اس خبر پر سنجیدگی سے سوچنا ہوگا اور اردو کی ترقی کے لیے مختلف سطحوں پر کوششیں تیز کرنی ہوں گی۔ اس کے لیے ایک بہتر شکل یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں، اسکولوں اور دفتروں میں اردو زبان کا زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ اردو کی تنظیموں اور اداروں کو بھی اردو کے فروغ کے لیے عملی طور پر اقدامات کرنے ہوں گے اور اردو میڈیم اسکولوں کو قائم کرنے کی طرف بھی توجہ دینی ہوگی تبھی اردو زبان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگا۔

'بچوں کی دنیا' کے اس شمارے میں یومِ آزادی کی مناسبت سے کچھ تحریریں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ نظمیں اور معلوماتی مضامین بھی ہیں، یقیناً یہ تحریریں آپ سب کو پسند آئیں گی! شمارے پر اپنے تاثرات بھیجنا نہ بھولیں۔

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

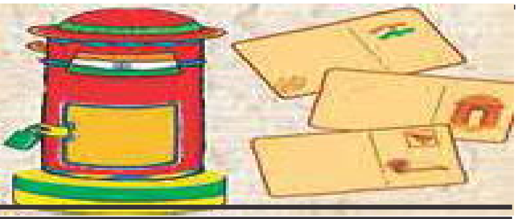

ڈاک خانہ

جنوری 2018 'بچوں کی دنیا' اداریے میں کئی اہم نکات ہیں جیسے (1) 15 جنوری کو ہندوستانی فوج کے قومی دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ (2) اسی دن 1949 کو لیفٹیننٹ جنرل کے ایم کری اپا نے 1949 میں ہندوستانی فوج کے کمانڈر ان چیف کا عہدہ سنبھالا تھا۔ (3) اس دن ہندوستانی فوج کی حصولیابیوں اور قربانیوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی فوج کے دفاتر میں مختلف تقریبات کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔

عظیم اقبال کے مضمون 'خون: ایک تعارف میں' چند بنیادی باتیں جو نہ صرف طالب علم، بلکہ ہر انسان کے علم میں محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ شمیم احمد صدیقی نے واضح کیا ہے کہ بکریاں انسانوں کے لیے کس طرح مفید ہیں۔

داستانِ ضحاک اور چالاک عقاب، دلچسپ کہانیاں ہیں۔

'آ گئی سردی' میں ظہیر حسن ظہیر نے ننھے منے لفظوں میں خوبصورت کہانی لکھی ہے، جیسے برف کی وردی، سردی کی من مانی، کہرے کی سلطانی، سورج بھیا، کہرے کا دھاک جمانا۔

رابعہ خاتون نے جنگ آزادی کی مجاہدہ حاجی بیگم سے متعلق قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔

شفاق کارنجوی، جی این آزاد اردو ہائی اسکول، باڑے گاؤں، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' واقعی ایک دلچسپ رسالہ ہے جسے نہ صرف بچے بلکہ ہر عمر کے لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ابتدا میں میں بچوں کے لیے کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ نیشنل بک ٹرسٹ کی کتابوں کا ترجمہ کیا کرتی تھی۔ میری پہلی کتاب 'بچوں کے امیر خسرو' مکتبہ جامعہ سے شائع ہوئی۔ آجکل میں بی بی سی کے لیے ہر ہفتے اردو میں مضمون لکھ رہی ہوں۔

ایران کے بادشاہ نے جب ملکہ فرح کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کیا میں نے فرح دیبا پر کتاب لکھی۔ وقت کے ساتھ زندگی آگے بڑھ گئی۔ بچوں کا ساتھ چھوٹ گیا اور میں بڑوں کے لیے کتابیں لکھنے لگی۔ لیکن آج بھی تشنگی باقی ہے۔ چاہتی ہوں بچوں کے لیے کہانیاں لکھوں۔

سلمیٰ یوسف حسین، ای 52، سن سٹی، سیکٹر 54، گڑگاؤں

'بچوں کی دنیا' رسالہ ترقی کی طرف گامزن ہے۔ ہر ماہ کا رسالہ ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ بچوں کی ذہنی نشو ونما میں یہ رسالہ بہت مددگار ثابت ہو رہا ہے۔

محمد سلیم انصاری، مومن پورہ آکولہ، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' جس خوبصورتی اور محنت سے آپ نے موتیوں کی طرح سجایا ہے وہ تعریف کے لائق ہے۔ 'بچوں کی دنیا' اردو داں طبقے کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔ میں اردو زبان کو فروغ دینے والے اس رسالہ 'بچوں کی دنیا' کو خلوص دل سے سلام کرتا ہوں۔ دعا ہے 'بچوں کی دنیا' سدا پھولتا پھلتا رہے۔

ضیاء عالم کوسگوی، حیدرآباد

سید قمر الحسن

آزادی کی قدر کریں

پیارے بچو! 15/اگست 2018 کو ہمارے وطن ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوئے پورے 71 سال ہوجائیں گے۔ اس سال ہم آزادی کی 72ویں سالگرہ منارہے ہیں۔ ہمیں یہ آزادی بڑی جدو جہد اور قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی۔ آزادی ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی اہمیت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو یہ نعمت حاصل ہے۔ آج میں تمھیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں۔

ایک کوا بہت پریشان اور اپنی زندگی سے بہت دکھی رہتا تھا۔ اسے شکایت تھی کہ خدا نے اس کو کچھ بھی نہیں دیا۔ نہ اچھی شکل وصورت، نہ رنگ وروپ اور نہ ہی دلکش وسریلی آواز۔ وہ سوچتا تھا کہ اتنے اچھے اچھے پرندے اس نے بنائے ہیں۔ کیا مجھے بھی کوئی اچھا رنگ اور اچھی آواز وہ نہیں دے سکتا تھا؟ کالا رنگ بھی کوئی رنگ ہے؟ یہ ناانصافی میرے ساتھ ہی کیوں ......؟ وہ سوچتا تھا کہ اچھی شکل وصورت اور آواز ہی ساری خوشیوں کی بنیاد ہے۔ مگر اس کی زندگی میں یہ دونوں ہی چیزیں نہیں ہیں۔ پھر کیسی خوشی اور کیسی مسرت!

ایک دن کی بات ہے کہ کوا ان ہی خیالوں میں گم اداس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کوئل اڑتی ہوئی آئی اور اس کے پاس والی شاخ پر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کوئل نے مگن ہوکر کوکنا شروع کردیا۔ کوے نے اس کی میٹھی اور سریلی آواز سنی تو اور زیادہ غمگین ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ کوئل کو اتنی اچھی آواز ملی ہے وہ تو مجھ سے زیادہ خوش ہوگی۔ کوا اس کے قریب گیا اور پوچھا ”بہن تم کو خدا نے اتنا اچھا گلا دیا ہے۔ کتنی سریلی آواز ہے تمھاری...... تم تو بہت خوش رہتی ہوگی نا؟ کوئل بولی کہ ”خدا نے تو مجھے صرف اور صرف اچھا گلا دیا ہے۔ مگر رنگ تو میرا پھر بھی کالا ہی ہے۔ میرے خیال میں مجھ سے زیادہ خوش تو ایک بگلا ہوگا، تم اس سے پوچھو۔“

کوا اپنی شاخ سے اڑکر بگلے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ ایک تالاب کے کنارے سفید رنگ کا ایک خوبصورت سا بگلا اپنی لمبی سی پتلی اور نازک گردن اٹھائے مچھلی کی تلاش میں گھوم رہا ہے۔ کوا اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا سوال دہرایا کہ خدا نے تو تم کو رنگ بھی بہت اچھا دیا ہے اور شکل

صورت بھی بڑی خوبصورت عطا کی ہے۔تم تو زیادہ خوش رہتے ہوگے، تمھاری زندگی میں تو خوشی ہی خوشی ہوگی نا؟ بگلا بولا کہ ’’خدا نے تو مجھے ایک ہی رنگ دیا ہے۔طوطے کو تو اچھا گلا بھی دیا ہے اور اسے زیادہ رنگین بھی بنایا ہے۔تو شاید مجھ سے زیادہ خوش تو ایک طوطا ہوسکتا ہے۔‘‘ کوا سوچنے لگا کہ بات تو صحیح ہے۔چلو طوطے سے پوچھ کر دیکھتے ہیں۔کوا اڑتا ہوا طوطے کی تلاش میں نکل پڑتا ہے اور طوطے سے پوچھتا ہے کہ تمھیں تو اتنا اچھا رنگ وروپ ملا ہے۔اتنا اچھا گلا ملا ہے۔تو تم تو بہت خوش رہتے ہوگے نا؟؟ طوطا دل ہی دل میں سوچنے لگتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ ’’میرے خیال میں مجھ سے زیادہ خوش تو مور کو ہونا چاہئے۔‘‘ کوے نے پوچھا ’’کیوں؟‘‘ طوطا بولا کہ ’’مجھے تو خدا نے صرف دو ہی رنگ دیے ہیں۔مگر اس کو تو بے شمار رنگ دے دیے ہیں اور جب وہ ناچتا ہے تو لوگ اس کے پاس کھڑے ہوکر سیلفی بھی کھنچوانا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کب وہ رقص کرنا شروع کرے اور انھیں اس کی فوٹو کھینچنے کا موقع ملے۔ اس لیے مجھ سے زیادہ خوش تو مور کو ہی ہونا چاہیے......‘‘ اب کوا اڑتا ہوا ایک مور کے پاس جا پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ ’’دوست، مجھے لگتا ہے کہ تم سب سے زیادہ خوش رہتے ہوگے، اور تمھاری زندگی میں خوشی ہی خوشی ہوگی۔ کیونکہ لوگ تمھارے پیچھے پاگل رہتے ہیں، تمھیں دیکھنے کے لیے، تمھاری ایک جھلک پانے کے لیے لوگ انتظار کرتے رہتے ہیں، تمھارے ساتھ سیلفی کھنچوانے کی ان کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ لوگ راہ دیکھتے ہیں کہ تم کب ناچو اور وہ تمہاری خوبصورت سی تصویر لیں۔تو شاید تم سے زیادہ کوئی خوش نہیں ہو سکتا۔‘‘ یہ سن کر مور خاموش ہو جاتا ہے اور کچھ سوچ کر بڑے ہی پیار سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ’’مجھے تو یہ لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ خوش تو کوا ہے۔‘‘ کوے کے لیے یہ جواب بالکل ہی غیر متوقع تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تو ہر وقت رنج وغم میں ڈوبا رہتا ہوں۔ اپنی زندگی میں خوشی نام کی کوئی چیز میں نے دیکھی ہی نہیں۔ مگر یہ مور تو کہہ رہا ہے کہ سب سے زیادہ خوش کوا ہے۔‘‘ کوے نے مور کے سامنے اپنے دل کی بات کہہ دی اور پھر پوچھا کہ یہ

کیسے ہوسکتا ہے؟ تب مور نے جواب دیا کہ ''میرے بھائی، آج تک میں نے کسی کوے کو کبھی قید میں نہیں دیکھا۔ دنیا کے کسی بھی چڑیا گھر میں چلے جاؤ، کوا کہیں بھی پنجرے میں بند نظر نہیں آتا۔ بہت سے لوگ اپنے گھروں پر طرح طرح کے پرندوں کو پنجرے میں قید کرکے رکھتے ہیں۔ مگر تم کو نہیں؟ کہیں بھی کوے کو قید میں دیکھا؟ آزادی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں......اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ کوا ہی سب سے زیادہ خوش رہتا ہوگا'' ...... کوے نے یہ جواب سنا تو اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کو احساس ہو گیا تھا کہ میری زندگی میں اچھی شکل وصورت نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ یہ تو بہت چھوٹی سی بات ہے۔ مگر میرے لیے یہ بات کتنی اہم ہے کہ میں آزاد رہتا ہوں۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے کہ میں کبھی پنجرے میں قید نہیں ہوا۔ کوے کا سارا رنج وغم اور دکھ ختم ہو چکا تھا۔ وہ مور کا شکریہ ادا کرکے خوشی خوشی وہاں سے چل پڑا۔

پیارے بچو سچ ہے کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے۔ ساتھ ہی اس کہانی سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ ظاہری طور پر دوسروں کو اپنے سے اچھے حال میں دیکھ کر رنجیدہ و غمگین نہ ہوں کیونکہ ہوسکتا ہے ہمیں خدا نے اس کے عوض کچھ اور بہت اچھی چیزیں دی ہوں جو ہم کبھی کبھی سمجھ نہیں پاتے۔ لہٰذا ہمیں جو کچھ میسر ہے اس کا شکر ادا کریں اور خوش رہیں۔

Syed Qamrul Hasan
Flat No. 201, Azad Apartments
RZ-2541/28, Tughlaqabad Extn.
New Delhi-110019

محمد توحیدالحق

بھارت کی شان

یہ آزادی بڑی قربانیوں سے ہم نے پائی ہے
ہر اک ظلم و ستم کی ہم نے تاریکی مٹائی ہے
چلو، اٹھو، کرو محنت اسی میں ہی بھلائی ہے
ہوائیں عزم و ہمت کی چلانا چاہتا ہوں میں
جہاں میں شان بھارت کی بڑھانا چاہتا ہوں میں

مٹا دیں بھید بھاؤ اک یہی تھا خواب باپو کا
بڑھیں سائنس میں آگے یہی ارماں تھا نہرو کا
کرشمہ دیکھ لے دنیا ہمارے زورِ بازو کا
یہی پیغام دنیا کو سنانا چاہتا ہوں میں
جہاں میں شان بھارت کی بڑھانا چاہتا ہوں میں

جہالت دور ہوجائے مٹے بے روزگاری بھی
بدل جائے گی یارو دیکھنا قسمت ہماری بھی
کرے گی قدر یہ دنیا یقیناً اب ہماری بھی
نشاں غربت کے سارے اب مٹانا چاہتا ہوں میں
جہاں میں شان بھارت کی بڑھانا چاہتا ہوں میں

■

Mohd Tauheedul Haque
Near Municipal Urdu Primary School
Ismailpura, Kamptee- 441002
Dist.: Nagpur (Maharashtra)

علیم صبا نویدی

ہندوستاں ہمارا

اس کا ہر ایک ذرہ، جلووں کا آئینہ ہے
ہنستے، مہکتے، دلکش رنگوں کا آئینہ ہے
اَن مٹ ہے شان اپنی اَن مٹ نشاں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

بانہوں میں اس کی سجدے کہسار کر رہے ہیں
سائے میں اس کے لاکھوں ارماں سنور رہے ہیں
اس کی ضیا سے روشن ہے آسماں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

یہ کھیت لہلہاتے، سرسبز باغ اس کے
منظر جبیں دکھاتے، روشن چراغ اس کے
روشن رکھا ہے سب نے نام و نشاں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

سرشار اس کی شامیں، مسرور اس کے دن ہیں
مفلس ہو یا تونگر، سب لوگ مطمئن ہیں
جنت نشاں ہے گویا ہندوستاں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

بانہوں میں اس کی شملہ، کشمیر کے نظارے
اجمیر کے اُجالے، گنگ و جمن کے دھارے
اس کی ہر ایک شے میں خوں ہے رواں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

مسجد بھی اس کی روشن، مندر بھی اس کے روشن
آکاش کر رہا ہے جھک جھک کے اس کا درشن
ہے خالقِ دوعالم خود مہرباں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

اس کی وفا کے آگے دشمن بھی جھک گیا ہے
اس سے نظر ملا کے طوفاں بھی رک گیا ہے
کیا خاک مٹ سکے گا یہ آشیاں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

اقبال، میر، غالب، ٹیگور اور گرو جی [1]
ہیں آبرو وطن کی، بے شک صبا نویدی
ہر حوصلہ ہے ان کے دم سے جواں ہمارا
ہندوستاں ہمارا

1۔ گرونانک

■

Aleem Saba Naveedi
No.: 192/266, Triplicane High Road
Flat No: 16, Second Floor
Rice Mandi Street
Chennai - 600005 (Tamil Nadu)

انصاری حفیظ الرحمن مالیگانوی

مجاہدِ آزادی
مولانا فضل حق خیرآبادی

1857 ہندوستان میں مجاہدین آزادی کی قربانیوں اور دیگر انگریز مخالف تحریکوں کے سبب تاریخ ہند میں ایک روشن باب کا سال مانا جاتا ہے۔ 1850 میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ہندوستان کثرت میں وحدت کی اعلیٰ ترین مثال زمانہ قدیم سے ہے۔ چنانچہ انگریزوں کے قدم ہندوستان میں پوری طور سے نہ جمنے دینے کے لیے ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی و دیگر فرقوں نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بند کیا تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور آپ کے رفقا نے اپنے تاریخ ساز فتوئ جہاد کے ذریعے ہندوستان میں آزادی حاصل کرنے کا بگل بجا دیا تھا۔ علم بغاوت کے بلند کرنے میں زیادہ تر مسلم دانشوروں اور علما ہی کا ہاتھ رہا ہے۔ اس کے ردعمل میں انگریزوں نے اس بغاوت کو کچلنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ان سنگین حالات میں بھی سرسید احمد خان، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا فضل حق اور ان کے رفقا نے شمع آزادی کو فروزاں رکھنے کی حتی الامکان کوششیں بھی کی تھیں اور اس پر عمل پیرا بھی رہے۔

اسی وقت علی گڑھ میں محمڈن کالج اور دیوبند میں عظیم دینی درسگاہوں کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ محمڈن کالج آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں موجود ہے۔

مولانا فضل حق، مجاہدین آزادی کی صفوں میں مولانا قاسم نانوتوی کے بے حد قریب تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی کتاب ''نقشِ حیات' میں مولانا فضل حق کی مجاہدانہ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اُنیس ستمبر کو انگریزوں نے جب دہلی پر قبضہ جمایا تب مولانا موصوف دہلی ہی میں تھے۔ آپ نے 5 روز گھر کے اندر قیدی کی صورت میں گزارے۔ انگریز حکومت نے غدار وطن کا خطاب عطا کر دیا تھا۔ ایک شب کے اندھیرے میں مع اہل وعیال دریا کو عبور کیا۔ بھیکن پور ضلع علی گڑھ آ گئے۔ یہاں اٹھارہ روز قیام کے دوران آپ کے فرزند

مولانا عبدالحق بھی ساتھ رہے۔

اس وقت کے نواب عبدالشکور خاں صاحب سے آپ کے وسیع تعلقات کی بنا پر نواب صاحب نے بہت جدو جہد اور کوشش کے بعد آپ کو مالوف پہنچنے میں مدد فرمائی۔ انگریزوں نے ہر طرف جال بچھا رکھا تھا۔ چنانچہ سیتاپور میں گرفتار ہوکر لکھنؤ لائے گئے اور انھیں مقدمات میں پھنسا دیا گیا۔ مولانا کی غیر موجودگی میں آپ کی بیشتر املاک کو ضبط کرلیا گیا تھا۔ کافی دنوں تک کیس چلتا رہا۔ سرکاری وکیل کے روبرو آپ اپنی جرح خود کرتے تھے۔ لیکن آپ کو آخرکار انڈومان روانہ کردیا گیا جسے کالا پانی بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا وہاں قید و بند کی مشکلات کا سامنا کرتے رہے۔ یہاں آپ کے فرزندان مولانا شمس الحق و مولانا عبدالحق صاحبان نے لندن کی کورٹ میں رہائی کے لیے رٹ داخل کردی۔ مختلف الزامات کو ختم کرنے اور رٹ کو مضبوط بنانے کے لیے خواجہ غلام غوث صاحب نے بھرپور معاونت کی۔ رہائی کا حکم نامہ لے کر آپ کے فرزند مولانا شمس الحق انڈومان گئے۔ پتہ چلا کہ 12 صفر 1278ھ بمطابق 1861 مولانا فضل حق کا انتقال ہوچکا تھا۔ تدفین کے بعد مولانا شمس الحق اور دیگر رفقا وطن لوٹے۔ وہ مجاہد آزادی تو گزر گیا لیکن اپنے بعد کی نسلوں کو جرأت و بے باکی اور ظالم سے لڑنے کا عظیم درس دیتا ہوا گزر گیا۔

■

Ansari Hafizurraheman
S.No: 76, Pl.No: 55, Ansar Colony
Nayapura Ward
Malegaon - 423203

جوابات

ہم کو آزادی ملی

ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

آپ ہم سب ایک ہوں
ایک ہوں، سب نیک ہوں
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

چاہیے جتنا ہم پڑھیں
بے جھجک آگے بڑھیں
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

درس ہو گاندھی کا یاد
ہے غلط جھگڑا، فساد
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

تفرقے گھر گھر مٹیں
ایکتا پر مر مٹیں
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

رنگ خوش حالی کے ہوں
عید، دیوالی کے ہوں
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

ہو نہ اب نفرت کا راج
گنگا جمنی ہو سماج
ہم کو آزادی ملی ہے اس لیے

■

Mateen Achalpuri
Opp.: Masjid, Akbari Chowk
Biyabani, Achalpur (Maharashtra)

رفیق گلاب

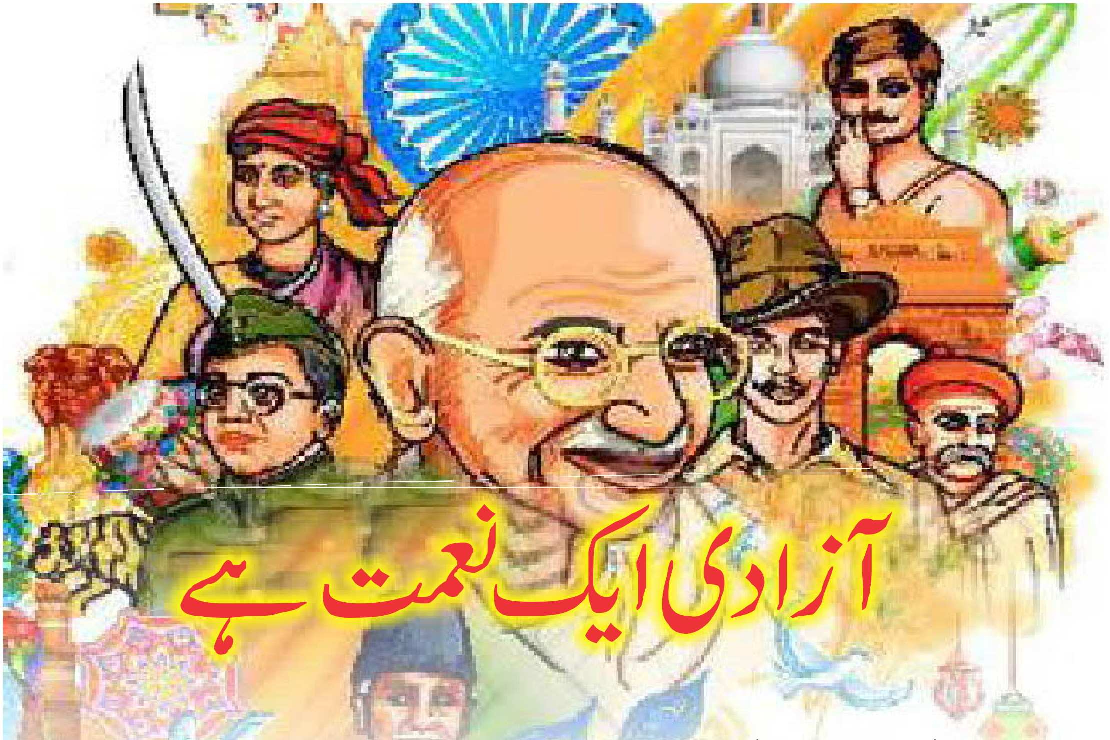

آزادی ایک نعمت ہے

15 اگست، وطنِ عزیز ہندوستان کی آزادی کا دن۔ 15 اگست 1947 کو ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا تھا۔ اس سے قبل ہمارے ملک پر انگریزوں کا راج تھا۔ سات سمندر پار سے، تاجر کی حیثیت سے آنے والے انگریزوں نے سونے کی چڑیا کہلانے والے ہمارے پیارے وطن ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی، ہندوستانی عوام کو اپنا غلام بنا یا تھا۔ انگریزوں نے کئی برسوں تک یہاں راج کیا۔ انھوں نے ہندوستانی عوام پر بے انتہا ظلم وستم ڈھائے۔ انگریزوں کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے وطن کے جیالوں نے تحریک آزادی شروع کی۔ تحریک آزادی کی تاریخ وطن کی خاطر سب کچھ قربان کرنے والے جیالوں کی اَن گنت داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ سلطان ٹیپو انگریزوں کے ساتھ بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ جن کی شہادت کے بعد انگریز جنرل نے کہا تھا کہ "اب ہندوستان ہمارا ہے۔" 1857 میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی جس میں بہادر شاہ ظفر، بیگم حضرت محل، مہارانی لکشمی بائی، تاتیا ٹوپے، احمد اللہ شاہ، فیروز شاہ، نانا صاحب پیشوا نے جو قربانیاں دیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔

پہلی جنگ آزادی میں انگریزوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی ذمے داری اردو اخبارات پر ڈالی اور اسی الزام کے تحت 'دہلی اردو اخبار' کے بانی مولوی محمد باقر کو پھانسی کی سزا دے دی گئی۔ جب انگریزوں کا ظلم وستم دن بدن زور پکڑتا گیا، تب وطن کے جیالے بھی آزادی کی خاطر سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہوگئے۔ ہمارے رہنماؤں نے انگریزوں کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ انگریزو! ہندوستان چھوڑ دو، ہندوستان ہمارا ہے، انقلاب زندہ باد، جیسے پرعزم اور فلک شگاف نعروں سے وطن عزیز کا چپہ چپہ گونج اٹھا۔

مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، لوکمانیہ تلک، سبھاش چندر بوس، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا حسرت موہانی، لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر راجندر پرساد اور دیگر رہنماؤں کی قیادت میں آزادی کے بے شمار متوالوں نے تن من دھن کی بازی لگا دی، لاٹھیاں کھائیں، جیل گئے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ وطن کو آزاد کرانے کے لیے بھگت سنگھ اور اشفاق اللہ خاں جیسے وطن پرستوں نے پھانسی کے پھندے کو گلے لگالیا۔ اس طرح آزادی کے ان گنت پروانوں نے وطن کی خاطر اپنی جان قربان کردی۔

آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ یہ آزادی وطن عزیز پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والے بے شمار وطن پرستوں کی مرہونِ منت ہے۔ ہر سال 15 اگست کو پورے ملک میں یومِ آزادی منایا جاتا ہے، پوری شان و شوکت کے ساتھ ترنگا پرچم لہرایا جاتا ہے۔ وطن عزیز کے لیے شہید ہونے والے آزادی کے متوالوں کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، فضا میں حب الوطنی کے ترانے گونجتے ہیں، اسکولوں اور کالجوں میں جشن آزادی منایا جاتا ہے۔

آزادی ایک نعمت ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ایک شہری کی حیثیت سے ہم اپنے دستوری حقوق کے حصول کے لیے ضرور کوشش کریں، ساتھ ہی اپنے فرائض کا بھی خیال رکھیں۔ ہر شہری کا فرض ہے کہ آزادی کی قدر کرتے ہوئے وطنِ عزیز ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں ہر ممکن تعاون کرے اور اپنے پیارے وطن کو امن و سکون اور محبت و اپنائیت کا گہوارہ بنانے کی پوری پوری کوشش کرے۔

■

ماخذ: علم و فن کی دنیا، مصنف: رفیق گرب، سنہ اشاعت: 2016، ناشر: رحمانی پبلی کیشنز، مالیگاؤں، مہاراشٹر

تراوٹ کا نغمہ

جولائی کے موسم کی دیکھو بہار
برستی ہے کیا ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار
ہوا چل پڑی سنسناتی ہوئی
تراوٹ کے نغمے سناتی ہوئی
درختوں کی شاخیں لچکنے لگیں
پرندوں کی تانیں مچلنے لگیں
نئی خوشبوؤں کا چلا کارواں
عجب سا نشہ ہے یہاں سے وہاں
تراتڑ کی آواز کا شور ہے
مری چھت پہ برسات کا زور ہے
زمیں کندنی ہوگئی دھوپ میں
بڑی موتنی ہوگئی دھوپ میں
پہاڑوں کے منظر سہانے ہوئے
زبانوں پہ جاری ترانے ہوئے
وہ، جس نے بنایا ہے سارا جہاں
وہی سامنے ہے، وہی ہے نہاں
وہی تو ہے دنیا کا پروردگار
اسی سے ہیں روشن یہ لیل و نہار
وہی ذرہ ذرہ چمکتا ہوا
وہی قطرہ قطرہ ٹپکتا ہوا
یہ کہتی ہی بارش کی ٹھنڈی پھوار
اے بندے! ہمیشہ خدا کو پکار

Abdur Rahim Nashtar
Plot No.:7, Behind Markaz
Teachers Colony, Jafar Nagar
Nagpur - 440013 (Maharashtra)

میرے پاپا

برے کاموں سے بچنا ہے سکھاتے ہیں مرے پاپا
سبق سچائی کا مجھ کو پڑھاتے ہیں مرے پاپا
جو اوروں کی مصیبت میں ہمیشہ کام آتے ہیں
سکوں ان کو ہی ملتا ہے بتاتے ہیں مرے پاپا
ہو چھوٹوں سے محبت اور بزرگوں کی کرو عزت
عمل اس پہ بھی خود کرکے دکھاتے ہیں مرے پاپا
ہمیشہ میرے گھر والوں کو میٹھے پھل جو دیتا ہے
شجر ایسا محبت کا اگاتے ہیں مرے پاپا
اداسی میرے پہلو سے ہمیشہ دور رہتی ہے
طریقہ ایسا جینے کا سکھاتے ہیں مرے پاپا
ہے جنت ماں کے قدموں میں پدر جنت کا دروازہ
حدیثوں کی یہ باتیں بھی بتاتے ہیں مرے پاپا
کبھی بھی صبر کا دامن نہ چھوٹے اپنے ہاتھوں سے
جو صابر ہے وہی خوش ہے بتاتے ہیں مرے پاپا

Khursheed Anwar Khursheed
120/3, Begum Sarai Colony
Ansari Gali
Ujjain - 456006 (MP)

محمد زاھد

پانی کی کہانی

پیارے بچو! قدرت انسانوں پر بہت مہربان ہے۔ اس نے انسان کی زندگی کو آرام دہ بنانے کے لیے طرح طرح کی نعمتیں مفت دے رکھی ہیں۔ پانی ایک ایسی نعمت ہے جس کے بغیر زندہ رہنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تم نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ ساری عظیم الشان تہذیبیں دریا کے کنارے آباد ہوئیں۔ چاہے وادیٔ سندھ کی تہذیب ہو یا مصر کی تہذیب۔ میسوپوٹامیہ (عراق) کی تہذیب ہو یا چین کی تہذیب۔ آج بھی دنیا کے بڑے شہر سمندر اور دریا کے کنارے بسے ہوئے ہیں۔ جیسے لندن ٹیمس ندی کے کنارے، قاہرہ نیل ندی کے کنارے، ممبئی بحرِ ہند کے ساحل پر۔ ہماری زمین کا 3/4 حصہ پانی پر مشتمل ہے جبکہ صرف 1/4 حصہ میں مختلف ملک بسے ہوئے ہیں۔

فضا میں بہت ساری گیسیں موجود ہیں۔ ان میں آکسیجن اور ہائیڈروجن دو ایسی گیسیں ہیں جن کے ملنے سے پانی بنتا ہے۔ نظامِ شمسی کے تمام سیاروں اور سیارچوں میں یہ دونوں گیسیں اُس تناسب میں موجود نہیں کہ وافر مقدار میں پانی بن سکے اور انسانی زندگی وہاں ممکن ہو۔ چاند پر اگرچہ انسان نے قدم رکھا لیکن اسی بنا پر اب تک کوئی انسانی بستی وجود میں نہیں آسکی۔ اب سائنس داں مریخ پر پانی کے نشانات تلاش کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی سیارے پر مستقبل میں انسانوں کو بسایا جاسکے۔

سائنس کے مطابق سب سے پہلا یک خلیہ والا جاندار پانی میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد مختلف شکلوں میں اس کا ارتقا ہوا۔ سمندروں میں جانداروں اور جانوروں نے لاکھوں سال

گزارے اور سیکڑوں شکلیں بدلیں۔ مختلف درجوں سے گزرنے کے بعد ترقی یافتہ صورت میں انسان کا ظہور ہوا۔ ان برسوں میں ایسے بہت سے جاندار ختم ہوگئے جو ماحول سے مطابقت نہیں کرسکے یا خود کو تبدیلی کے حامل Survival of the fittest) نہیں بنا سکے۔ آج بھی ان کے باقیات سمندر کی گہرائی میں، برفانی علاقوں میں یا چٹانوں میں دبے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

پانی انسان کی زندگی میں ناگزیر ہے۔ اس کا استعمال وہ پیاس بجھانے کے لیے کرتا ہے۔ اس کے بدن میں بننے والا خون بھی پانی چاہتا ہے۔ اسی خون کے ذریعے آکسیجن گیس بدن کے مختلف خلیوں تک پہنچتی ہے۔ پانی ہی نالیوں کو صاف کرتا ہے۔ دن بھر میں ہر شخص کو کم سے کم 5 لیٹر پانی پینا چاہیے تاکہ جسم کے اندر گندگی نہ جم سکے۔ پانی کی کمی انسانوں میں بہت سی بیماریوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان فصل اگانے کے لیے پانی کا استعمال کرتا ہے۔ کسان بادل، نہر، تالاب یا سینچائی کے مختلف طریقوں پر انحصار کرتا ہے تاکہ اس کے لگائے ہوئے ننھے بیجوں کو کھیت میں مناسب مقدار میں پانی مل سکے اور وہ لہلہاتی فصلوں میں تبدیل ہوجائیں۔ گیہوں کی بہ نسبت دھان کی بوائی میں زیادہ پانی کی ضرورت پڑتی ہے۔ ارہر، گنا، جوار، باجرہ، سرسوں، آلو، پیاز وغیرہ کے لیے نسبتاً کم پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیلا، آم، سیب، انار، جامن وغیرہ کے پیڑ بھی پانی وقت پر چاہتے ہیں۔

فیکٹریاں اور کارخانے دریا کے کنارے بنائے جاتے ہیں تاکہ ضرورت کا پانی آسانی سے لایا جاسکے اور مشینوں کی صفائی کی جاسکے۔ ساتھ ہی باقی بچے کیمیکل مادوں کو باہر نکالا جاسکے۔ اسی وجہ سے کپڑے کی صنعت، جوٹ کی صنعت، موٹر گاڑی، پانی کے جہاز اور بجلی بنانے کے کارخانے دریاؤں کے کنارے قائم کیے گئے۔ ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور آس پاس کے علاقوں میں آباد ہوئے اور اس طرح شہروں کی آبادی بڑھی جیسے کلکتہ، لکھنؤ، بنگلور، مدراس وغیرہ۔

دریا اور سمندر مال واسباب اور مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس مقصد سے وہاں بندرگاہ بنائے جاتے ہیں۔ ماضی میں پانی کی کشتیاں اور جہاز آمد و رفت کا بڑا ذریعہ تھے۔ لوگ عرب، یورپ، افریقہ وغیرہ کا سفر سمندروں سے کرتے تھے۔ اب ہوائی جہازوں کا استعمال بڑھ گیا ہے۔ لیکن بڑے بڑے سامان آج بھی بندرگاہوں سے ہی ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتے ہیں۔

پانی کی ضرورت ماحولیات کے اجزا میں تناسب برقرار رکھنے کے لیے بھی اہم ہے۔ ترقی کی دوڑ میں آگے نکل جانے کے لیے انسان قدرت کے نظام میں خلل ڈال رہا ہے۔ زیادہ اور بڑی عمارتیں بنانے کے لیے زمین کے اندر سے بھاری مقدار میں پانی نکالا جارہا ہے۔ کارخانوں کے فضلات دریا میں ڈال کر اس کی سطح کو کم کیا جارہا ہے۔ جنگلوں کی کٹائی کی جارہی ہے، تالابوں کو بھرا جارہا ہے۔ اسی سبب سے کہیں بارش بہت کم ہورہی ہے اور سوکھا پڑ رہا ہے جبکہ کبھی اتنی بارش ہوجاتی ہے کہ آدھا شہر ڈوب جاتا ہے۔ ہمیں ماحولیات اور پانی کے ذخیروں کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔

■

Dr. Md. Zahid
B-5, P.D. Jaah Lane
Garden Reach
Kolkata - 700024 (WB)

انصاری نبیلہ بانو ابرار احمد

نیپاہ وائرس

عالمی ادارہ صحت (WHO) کے مطابق نیپاہ وائرس چمگادڑ سے پھلوں اور پھلوں سے انسانوں اور جانوروں میں پھیلتا ہے۔ اس وائرس کا اہم ذریعہ چمگادڑ ہیں جو پھل کھاتے ہیں۔ ایسے چمگادڑوں کو Flying Fox کے نام سے جانا جاتا ہے۔ 1998 میں پہلی دفعہ میشیا کے Kapun Sungai Nipah میں اس وائرس کا معاملہ سامنے آیا تھا۔ اس وجہ سے اس وائرس کا نام نیپاہ وائرس دیا گیا۔

2001 میں نیپاہ وائرس بنگلہ دیش کے میرپور اور ہندوستان بھارت کے سلی گڑی (مغربی بنگال) ضلع میں پایا گیا تھا۔

ہندوستان میں نیپاہ وائرس کی موجودگی کا پتا پہلی بار 2001 اور 2007 میں مغربی بنگال میں چلا۔ نیپاہ وائرس کی وجہ سے دو بار بڑی تعداد میں بیماری پھیلی تھی۔ مغربی بنگال میں دونوں ہی بار میں 71 معاملے سامنے آئے تھے جن میں سے 50 لوگوں کی موت ہوگئی تھی۔ مغربی بنگال کے یہ وہ علاقے تھے جو بنگلہ دیش سے قریب تھے۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) نے خبردار کیا کہ ہندوستان اور آسٹریلیا میں اس وائرس کے پھیلنے کا خدشہ ہے۔ ملک کی ریاست کیرالا کے کوزی کوڈھل پورم میں معاملہ سامنے آنے کے بعد الارم کی گھنٹی بج چکی ہے۔ ریاست کیرالا کے کوزی کوڈ کے ایک کنوئیں میں چمگادڑ کے ذریعے کھائے گئے پھل کی موجودگی سے یہ وائرس پھیلا ہے۔ بنگلہ دیش اور ہندوستان میں کھجور کا رس (تاڑی) کا استعمال اور چمگادڑوں کے رابطے میں آنے کو اس وائرس کا ذمے دار مانا گیا ہے۔

نیپاہ وائرس کے انفیکشن کا خطرہ کسے ہے؟

اسپتالوں میں کام کرنے والے اور متاثرہ مریض کی دیکھ

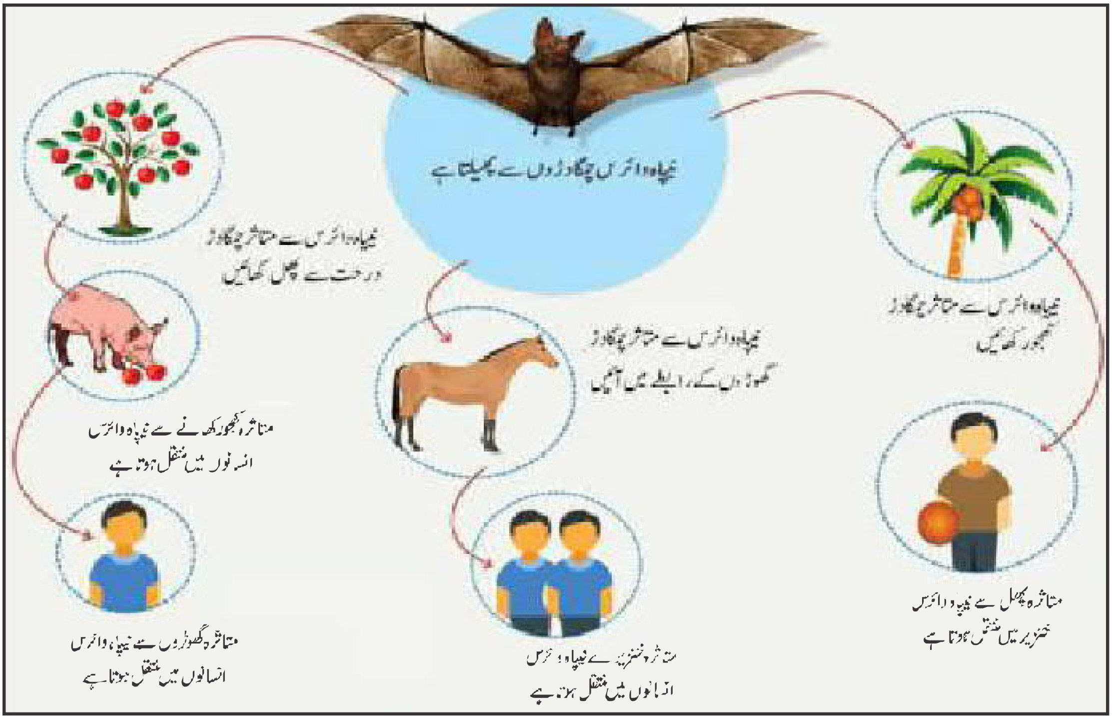

بھال کرنے والوں کو وائرس کے انفیکشن کا خطرہ زیادہ رہتا ہے۔ملیشیا اور سنگاپور میں نیپاہ وائرس کا انفیکشن زیادہ دیکھا گیا جو کہ متاثر خنزیر کے رابطے میں تھے۔

Nipah Virus (نیپاہ) وائرس کی نشانیاں

نیپاہ وائرس Encephalitis (دماغ میں جلن،سوزش) کی وجہ ہوتا ہے اس لیے اسے Nipah Virus Encephalitis کہا جاتا ہے۔اس وائرس سے متاثر لوگوں کو سانس لینے میں دقت اور دماغ میں جلن محسوس ہوتی ہے۔ انسانوں میں نیپاہ وائرس Encephalitis سے جڑا ہے جس کی وجہ سے دماغ میں سوجن، بخار، سردرد، چکر آنا شروعاتی نشانیاں ہیں۔ڈاکٹروں کے مطابق کچھ معاملوں میں 24-48 گھنٹوں کے اندر وائرس کا اثر بڑھنے پر مریض کوما میں بھی چلا جاتا ہے۔

حفاظتی تدابیر

اب تک اس وائرس سے منسلک کوئی ٹیکہ موجود نہیں ہے۔اس وائرس سے بچنے کے لیے خاص طور سے کھجور کھانے سے بچنا چاہیے۔درخت سے گرے پھلوں کو نہیں کھانا چاہیے۔ یہ وائرس متعدی (Communicable) ہے۔ایک شخص سے دوسرے شخص میں پھیلتا ہے، اس لیے روکنے کے لیے مریض سے دوری بنائے رکھنے کی ضرورت ہے۔متاثر جانور خصوصاً خنزیر سے دور رہنا بچاؤ ہے۔

■

Ansari Nabeela Bano Abrar Ahmad
Plot No.: 91, Near Bandey Nawaz Masjid
Millat Nagar
Dhulia - (Maharashtra)

■ درخشاں سحر

پختہ عزم

ہزاروں مشکلیں بھی راہ پڑ جائیں تو کیا غم ہے
ہر اک مشکل میں پنہاں
راحتوں کے گام ہوتے ہیں
ہر اک کلفت میں مضمر
درد کے انجام ہوتے ہیں
بس اتنا یاد رکھنا کہ
یقیں جس کا خدا پر ہوا سے کچھ ہو نہیں سکتا
ارادہ جس کا محکم ہو وہ کچھ بھی کھو نہیں سکتا
اسے ملتا ہے وہ سب کچھ
جو اس کی چاہ ہوتی ہے
وہ پاتا ہے ہر اک سکھ کو
مصیبت خواہ ہوتی ہے
مصائب کے یہ بادل
ایک دن ان کو تو چھٹنا ہے
پڑے رہ میں اگر پتھر
بالآخر ان کو ہٹنا ہے

Darakhshan Saher
Bazeed Pura, Kopaganj
Mau - (UP)

■ اسلم سیفی

سیکھ لو بچو

پیار تو کرنا سیکھ لو بچو
دل میں اترنا سیکھ لو بچو
لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے
اس سے مکرنا سیکھ لو بچو
جس سے خوش ہوں امی ابو
کام وہ کرنا سیکھ لو بچو
استادوں کا ادب ہے لازم
ان سے ڈرنا سیکھ لو بچو
گھر کو سنوارو گے تم اک دن
خود بھی سنورنا سیکھ لو بچو
کانٹے والے رستوں سے بھی
ہنس کے گزرنا سیکھ لو بچو
پھول کھلے ہیں گلشن گلشن
ان سے نکھرنا سیکھ لو بچو

Aslam Saifi
10, Law Road
Gaya - 823001 (Bihar)

عطیہ بی

تڑپتی جنت

آسمان کی سیر کس کو اچھی لگتی اور ساتھ اگر کسی پری کا ہو تو کیا کہنے، وہ پری جس کی مسکراہٹ نہیں، جس کا دمکتا چہرہ اور خوبصورت پر اندھیری رات کی تاریکیوں کو جگنو کی مانند روشن کر رہے ہوں۔ ہاتھ میں پکڑی جادوئی چھڑی ایک جھٹکے میں دل کی تمام خواہشات کو پورا کر دے۔ ایسی ہی ایک پری آج فرحان کے خوابوں میں آئی۔ آج نہ جانے کتنی دیر اس نے فرحان کے ساتھ آسمانوں کی سیر کی۔ کبھی بادلوں کے جھروکوں سے جھانکتے ہوئے وہ دونوں نیچے دیکھتے تو کبھی خوبصورت آسمان کی سیر کو گامزن ہو جاتے۔ تبھی اچانک فرحان کو سر پر کسی سایہ کے ہاتھ پھرانے کا احساس ہوا۔ ''فرحان بیٹا اٹھو صبح ہو گئی کب تک سوؤ گے..... جلدی سے اٹھ جاؤ دیکھو ابو بلا رہے ہیں۔''

فرحان جو ابھی تک آسمانوں کی سیر میں مصروف تھا مچلتے ہوئے بولا ''کیا امّی آپ بھی صبح صبح اٹھا دیتی ہیں ابھی تو میں پری کے ساتھ باغوں کی سیر کے لیے جا رہا ہوں، وہاں بڑے اچھے اچھے پھل ہم کھائیں گے، نہیں نہیں میں ابھی نہیں اٹھوں گا۔ ماں نے مسکراتے ہوئے کہا: ارے بھائی سیر بعد میں کر لینا ابھی اٹھو میں نے گرم گرم ناشتہ بنایا ہے ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

ماں کے اصرار کرنے پر فرحان آنکھوں کو مسلتے اور بڑبڑاتے ہوئے غسل خانہ کی جانب بڑھا...... کیا امی آج تو سونے دیجیے آج تو چھٹی ہے۔ ماں مسکراتے ہوئے نیچے چل دی۔ جب فرحان اپنے ضروری کاموں سے فراغت حاصل کر کے نیچے پہنچا تو امی باورچی خانے میں کام کر رہی تھیں۔ امی میں آ گیا ہوں جلدی سے ناشتہ دیجیے۔ دیتی ہوں دیتی ہوں جاؤ ابو کو سلام تو کر آؤ تمہیں پوچھ رہے تھے۔ جی اچھا ابھی جاتا ہوں۔

''السلام علیکم ابو''۔

''وعلیکم اسلام صاحبزادے''

نیند پوری ہوئی کہ نہیں۔ چھٹیوں کا بھرپور مزا لے رہے ہیں آپ۔ کہیے جناب اٹھ گئے آپ ابو نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ جی ابو پوری ہو گئی نیند۔ تبھی کمرے میں امی کی آمد ہوئی ان کے ہاتھ میں ناشتہ کی ٹرے تھی ''چلو جلدی جلدی ناشتہ کر لو'' جی بالکل مجھے ابھی باہر جانا ہے۔ کہاں فرحان؟ ''ارے امی آج میں باغ جاؤں گا، بہت دل چاہ رہا ہے جانے کا'' اور یہ کہتے ہوئے فرحان نے جلدی جلدی ناشتہ مکمل کر لیا اور باہر کی جانب چل پڑا۔ باغ میں پہنچتے ہی ٹھنڈی

ہواؤں کا احساس بڑا ہی دلکش لگا۔ چاروں جانب قدرت کی بخشی سبز رنگ کی مخملی چادر شجر (درخت) اور گھاس کی شکل میں نمایاں تھیں۔ پتوں پہ موجود شبنم کے قطرے اس طرح نظر آتے تھے جیسے موتیوں کی بارش ہوئی ہو۔ ساری فضا بڑی خوشنما اور توانا تھی۔ خدا کی دی ان نعمتوں کا فرحان پورا مزا لینا چاہتا تھا۔ کبھی وہ پیڑوں پر چڑھ کر پھل توڑنے لگتا۔ تو کبھی زمین پر بیٹھے پرندوں کو اڑانے لگتا۔ اور خوش ہو کر اچھلنے لگتا۔ تبھی اس کی نگاہ سامنے لگے امرود کے پیڑ پر پڑی ...... "واہ کتنے اچھے امرود ہیں۔ بڑا مزا آئے گا انہیں کھانے میں" اور وہ جھٹ سے پیڑ پر چڑھ کر امرود توڑنے لگا۔ مگر یہ کیا امرود توڑتے ہی وہ ہاتھ سے اچانک چھوٹ کر نیچے گر پڑا اور ایک تیز چیخ نے فرحان کو چونکا دیا ...... "ہائے مار ڈالا ...... ہائے میرا سر" ...... فرحان گھبرا کر نیچے اترا تو دیکھا ایک ضعیف عورت جس کے پورے بال پک چکے تھے۔ چہرے پر جھریوں کی پرتیں موجود تھیں، جسم نہایت کمزور صرف ہڈیوں کا نشان باقی ہے، گوشت تو کب کا گھل چکا، اپنا سر پکڑے بیٹھی ہے۔ "ارے مار ڈالا ہائے ہائے" ......

"ارے اماں کیا ہوا لگ گئی کیا؟ معاف کیجیے گا ......" "لگی نہیں تو چلا کیوں رہی ہوں اور کیا مجھے کوئی شوق ہے سر پکڑ کر چلانے کا ...... کیوں بیٹا آج صبح سے کوئی اور نہیں ملا تھا جو مجھ بوڑھی کا سر پھوڑ دیا۔ میں تو لکڑیاں لینے آئی تھی کیا معلوم تھا یہ مصیبت سر پڑے گی"۔ "معاف کر دیجیے میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا ......" بوڑھی عورت نے سر ہلاتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں بیٹا مجھ بڑھیا پر تو ہر کوئی ستم کرتا ہے تم نے کیا تو کون سا نیا کام کیا"۔ "نہیں نہیں اماں لائیے میں آپ کی مدد کرتا ہوں"۔ "نہیں بیٹا شکریہ میں خود کر لوں گی۔ کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں لے رہی تھی وہی لے لوں پھر چلی جاؤں گی"۔ "لائیے میں جلدی جلدی آپ کی لکڑیاں اکٹھا کرنے میں مدد کرتا ہوں ......" اور یہ کہتے ہوئے فرحان نے چند منٹوں میں لکڑیوں کا ایک گٹھر بنا دیا۔ "چلیے اماں کہاں جانا ہے میں پہنچا دیتا ہوں"۔

ضعیف عورت کے چہرے پر اچانک ایک خوف طاری ہو گیا نہیں نہیں میں چلی جاؤں گی تمہارا بہت شکریہ تم نے میری اتنی مدد کی میرا گھر دور نہیں ہے میں چلی جاؤں گی۔ تم نے ویسے بھی بڑی زحمت کی اور پریشان مت ہو نہیں نہیں اس میں زحمت کس بات کی۔ فرحان نے ان کی ایک بات نہ مانی اور اس ضعیف عورت کو ہمراہ لے کر آگے کی جانب بڑھ چلا۔ آپ اکیلی رہتی ہیں اماں؟ راستے میں اس نے بڑے مخلصانہ رویہ سے ضعیف عورت سے سوال پوچھا "نہیں ...... نہیں میرا ابھی ایک بیٹا ہے تمہاری طرح بہت اچھا ہے میرا بہت خیال رکھتا ہے مجھے کبھی بھی اکیلے نہیں چھوڑتا، مجھ سے بہت پیار کرتا ہے، اور میری خدمت میں ہمیشہ لگا رہتا ہے، بس اسی کے لیے جیتی ہوں اور اب اس عمر میں کس کے لیے جیوں گی"۔ اچھا! فرحان کو اس کی باتوں سے محبت صاف جھلکتی نظر آ رہی تھی مگر ان کا چہرہ ان کی زبان کا ساتھ نہ دے رہا تھا۔ اور دونوں آگے کی جانب بڑھ چلے ایک مقام پر آ کر بوڑھی عورت رک گئی۔ "اب یہ گٹھری مجھے دے دو بیٹا میں چلی جاؤں گی دیکھو وہ سامنے ہی میرا گھر ہے تم پریشان مت ہو"۔ "چلیے میں آپ کو گھر تک چھوڑ دوں"۔ "نہیں نہیں میں چلی جاؤں گی ......"۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی جھلکنے لگی اور وہ فرحان کے سر سے لکڑیوں کا گٹھر چھینتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ یہ بات فرحان کو کچھ عجیب سی لگی اور کچھ دور پر ایک ٹوٹی ہوئی جھونپڑی میں جا پہنچی۔ فرحان نے اپنے قدموں کو واپسی کی طرف موڑ تو لیا مگر وہ ایک عجیب سی الجھن میں گرفتار تھا نہ جانے کیوں واپسی

ہوتے ہوئے اس کے قدم پھر اس جھونپڑی کی جانب چل پڑے۔ جب فرحان اس جھونپڑی کے پاس پہنچا تو آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وہ ضعیف خاتون کچی زمین پر بیٹھی چولہے میں لکڑیاں لگا رہی تھی۔ اور دوسری جانب اس کا نوجوان بیٹا کھڑا اپنی ماں کو دیر ہو جانے کے سبب باتیں سنا رہا تھا۔

''کہاں چلی گئیں تھیں۔ تم کو معلوم ہے مجھ کو بہت بھوک لگی ہے تمہیں تو گھومنے سے ہی فرصت نہیں تم تو میری جان لینے پر آمادہ (راضی) ہو......'' ''نہیں نہیں بیٹا ایسا مت بولو میں ابھی کھانا بنا دیتی ہوں''۔ ''ارے بس رہنے ہی دو آپ تو ویسے بھی کام نہیں چلتا اور دوسرے تم نے زندگی دوزخ کر رکھی ہے جی چاہتا ہے تم کو کہیں چھوڑ آؤں میری جان تو چھوٹے''۔

ماں کے ساتھ اس طرح کا رویہ فرحان سے برداشت نہ ہوا اور وہ لمبے قدموں سے گھر کی جانب لوٹنے لگا۔ راستے میں اس کے ذہن میں بس یہ ہی خیال آتے رہے ماں کو تو خدا نے اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے اس کے قدموں میں جنت دے دی۔ یہ انسان کیسا ہے جو اپنی جنت کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا ہے۔ اس کے دل میں اپنی ماں کے لیے ذرہ برابر محبت نہیں۔ کہیں نہ کہیں وہ اپنے آپ کو بھی اس حادثے کے لیے مجرم سمجھ رہا تھا۔ نہ اس کی وجہ سے لکڑیاں اکٹھا کرنے میں دیر لگتی اور نہ اس ماں کو باتیں سننی پڑتیں۔ ان سبھی خیالات نے اس کے دل میں ایک بے چینی پیدا کی اور اس کے قدم پھر اسی جھونپڑی کی جانب چل پڑے مگر یہ کیا اب جو کچھ اس نے دیکھا وہ عبرت ناک تھا۔ وہ نوجوان لڑکا اپنی ماں کو ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال رہا تھا۔ ''تم اب یہاں سے چلی جاؤ، تم نے میری زندگی تباہ کر دی ہے، اب میں تمہاری ذمہ داری اور نہیں اٹھا سکتا، نہیں بیٹا ایسا مت کرو تم تو میری اولاد ہو میرے بچے مجھے میرے گھر سے جدا مت کرو میں یہیں کسی کونے میں پڑی رہوں گی اف تک نہ کروں گی تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا''۔ ''نہیں بس اب بہت ہوا میرا پیچھا چھوڑ جاؤ یہاں سے''۔ ''کہاں جاؤں گی میں؟ اس دنیا میں تمہارے علاوہ میرا کون ہے''؟ ''مجھے کیا پتہ کہیں بھی جاؤ بس جاؤ''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ماں کو گھر سے باہر دھکیل دیا۔ فرحان سے رکا نہیں گیا اور اس نے اس ضعیف کو جا کر تھام لیا۔ ''یہ کیا کر رہے ہو تم؟ یہ تمہاری ماں ہے ان کے ساتھ ایسا رویہ''۔ اسے دیکھ کر وہ لڑکا چونک پڑا ''تم کون ہو

یہاں کیا کر رہے ہو"؟ "میں کوئی بھی ہوں تم والدہ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتے"۔ "یہ میری ماں ہے میں جو چاہے کروں تم کہنے والے کون ہوتے ہو۔ تمھیں زیادہ تکلیف ہے تو تم ہی لے جاؤ انہیں میں نہیں روکوں گا"۔ "یہ تمہاری ماں ہے آج یہ ضعیف ہوگئیں ہے تو تم ان کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے اگر بچپن میں انھوں نے ایسا سوچا ہوتا تو کیا تم آج یہاں کھڑے ہوتے یہ تو خدا کا تحفہ ہے تم اسے ٹھکرا رہے ہو"۔ "مجھے سبق سکھانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ "نہیں بیٹا معاف کر دو مجھے، آئندہ تمہارا ہر کام وقت پر کروں گی تم جو کہو گے وہ کروں گی بس مجھے گھر سے بے دخل نہ کرو، اس بوڑھی عورت نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "چلی جاؤ میرا دماغ نہ خراب کرو" کہتے ہوئے اس نے گھر کے دروازے بند کر لیے۔ ماں کے کلیجے پر گاج گر پڑی اور وہ بے بس روتی چلاتی ہی رہ گئی۔

فرحان نے مظبوط ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے ہمراہ لے کر اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔ نڈھال جسم جیسے اس میں جان ہی نہ ہو صرف اپنے جسم کا بوجھ اٹھائے ایک زندہ لاش کی مانند وہ فرحان کے ہمراہ ہولی اور فرحان اس کا سہارا بن گیا۔ مگر واہ ری ماں اس حالت میں آنکھوں میں اشکوں کا سمندر چھپائے سینے میں ناسور لیے اپنی اولاد کو دعائیں دیتی وہ فرحان کے ہمراہ ہولی۔ اور فرحان اس جنت کو لیے گھر واپس آ گیا۔

■

Atiya Bi
194/32, I.P Road
Wazeer Ganj
Lucknow (UP)

Subscription Form "Bachon ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

E-mail.: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in, فیکس: 011-26108159 فون: 011-26109746

دستخط

اظہر نیر

سراجو اور کلوا

سراجو اور کلوا دونوں بچپن سے ایک چھوٹے سے مارکیٹ میں بھیک مانگا کرتے تھے۔ اس مارکیٹ میں بہت زیادہ دکانیں نہیں تھیں۔ قریب کے دیہات سے لوگ یہاں ضرورت کی چیزیں خریدنے آجاتے۔ سراجو کا نام شاید ماں باپ نے سراج رکھا ہوگا۔ اور کلوا کا نام کلیم الدین تھا مگر پورے مارکیٹ کے لوگ اس کو سراجو اور کلوا کے نام سے جانتے تھے۔ یہ دونوں کون تھے اور کہاں سے آئے تھے کسی کو معلوم نہیں تھا۔ دونوں کی عمر تقریباً 10-9 سال تھی۔

رمضان کا پہلا ہفتہ شروع ہوتے ہی مارکیٹ میں چہل پہل شروع ہوجاتی ہے۔ قریب کے دیہات سے لوگ کافی تعداد میں خریداری کرنے آجاتے ہیں۔ روزانہ بھیڑ لگنے لگتی تھی۔ عید کی تیاری کے لیے لوگ مارکیٹ میں برقع پوش عورتوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ برقع پوش عورتوں کے سامنے سراجو اور کلوا ہاتھ پھیلایا کرتے تھا جہاں رمضان میں تواب کمانے کی خاطر ایک دو روپیہ دونوں کے ہاتھ میں ڈال دیتی تھی۔ سراجو اور کلوا پیسے لے کر کسی ہوٹل میں جاکر کھالیتے اور پھر اسکول کی سیڑھی (زینہ) پر جاکر سوجاتے، یہی روزانہ کا معمول تھا۔

ایک روز تیز دھوپ میں سراجو اور کلوا ایک کپڑے کی دوکان میں بیٹھے ہوئے تھے اور آنے جانے والی برقع پوش عورتوں سے بھیک مانگ رہے تھے۔ ایک عورت بہت غصے میں دکان سے نکلی تو سراجو نے کہا کہ اماں دو روپے دونا۔ اس عورت نے کہا کہ کم بخت تو دیکھ رہا کہ عید کی خریداری کرنے آئی ہوں۔ ان دوکان دار لوگوں نے بہت زیادہ قیمت بڑھا رکھی ہے۔ کیا کروں۔ بچوں کے لیے عید کے کپڑے خریدنے ہی ہیں، اس مہنگائی میں تم کو کیا دوں۔ بھاگ سامنے سے؟

ایک دوسری عورت نے کہا بیٹا یہ لو دو روپے، تم کیا کرتے ہو، کیا نام ہے؟ سراجو نے کہا کہ میں اس مارکیٹ میں رہتا ہوں کسی کا کوئی کام کر دیتا ہوں۔ اگر کام نہیں ملا تو بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہوں، کبھی کبھی فاقے کی نوبت آجاتی ہے۔

یہ رمضان کا مہینہ ہے تم میرے گاؤں میں آجاؤ وہاں تم کو روزانہ اتنا کھانا مل جائے گا کہ تم پیٹ بھر کھالو گے اور کچھ پیسے بھی مل جائیں گے۔ ٹھیک اماں میں آپ کے گاؤں ضرور آؤں گا۔

دوسرے روز سراجو اور کلوا اس برقع پوش عورت کے گاؤں پہنچ گئے۔ شام کو پورے گاؤں کا چکر لگایا اور ہر گھر سے ان کو اتنا کھانا مل گیا کہ دونوں نے تین وقت کھایا اور پھر برقع پوش عورت کے دروازے پر سو گئے۔ اس طرح ان دونوں نے پورا رمضان اس گاؤں میں گزارا۔ عید کا چاند نظر آنے پر پورے گاؤں کے بچے خوشیاں منا رہے تھے، مگر وہیں سراجو اور کلوا مایوس ہو کر سبھی بچوں کے درمیان رہ کر بھی خاموش اور اداس تھے کیونکہ ان کے سر پر والدین کا سایہ نہیں تھا۔ اسی گاؤں کی ایک ضعیفہ رضیہ بانو نے سراجو اور کلوا کے لیے نئے کپڑے بنوائے تھے۔ سراجو اور کلوا کو عید کے روز نئے کپڑے دیے اور کہا کہ میرے بچوں کے ساتھ تم بھی عیدگاہ جا کر نماز پڑھ کر میرے پاس آنا۔ میں تمھیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دوں گی اور عیدی بھی۔

رضیہ بانو نے اپنے بچوں کے ساتھ سراجو اور کلوا کو بھی عیدی دی، چاروں بچوں کو گلے لگایا، آنکھیں نم ہو گئیں کیونکہ ان کے بچے بھی اپنے والد سے محروم تھے۔ سراجو اور کلوا نے ایک زبان ہو کر رضیہ بانو سے سوال کیا ”اماں سال بھر رمضان کیوں نہیں ہوتا تاکہ ہم سال بھر اچھے اچھے کھانا کھاتے رہیں۔“ رضیہ بانو نے دونوں کو سینے سے لگا لیا۔

رضیہ بانو کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ تھا۔ اس کے شوہر ایک بڑے کارخانے میں انجینئر تھے، اچھی تنخواہ تھی اور گھر پر بھی زمین تھی جس کی وجہ سے غلہ کی کبھی کمی نہیں ہوتی بلکہ سال بھر کے بعد رضیہ بانو غلہ فروخت کر دیتی تھیں۔ جس سے کافی پیسہ جمع ہو جاتا۔ اللہ کو یا منظور تھا کہ ایک روز اس کے شوہر کارخانے میں ایک مزدور کو بچانے میں اپنی جان گنوا بیٹھے۔ ان کے صرف دو لڑکے تھے، رضیہ بانو کے دونوں چھوٹے بچے تھے۔ شوہر کی موت کے بعد وہ دونوں بچوں کو لے کر گاؤں چلی آئی، یہاں رہنے لگی۔

سراجو اور کلوا کو دیکھ کر اس کے دل میں رحم پیدا ہوا اور دونوں بچوں کو اپنے ساتھ رکھنے کا ارادہ کر لیا۔

رضیہ بانو نے سینے سے لگا کر کہا کہ سراجو اور کلوا اب رمضان کی طرح سال بھر اچھا اچھا کھانا ملے گا مگر شرط یہ ہے کہ تمھیں بھی میرے بچوں کے ساتھ اسکول جانا ہوگا اور یہیں رہنا ہوگا۔

آج کے بعد تم دونوں بھی میرے بچوں کے ساتھ اسکول جاؤ گے۔ اللہ رزاق ہے تم کو بھی رزق دیتا رہے گا۔ سراجو اور کلوا دونوں رضیہ بانو کے گلے لگ کر رونے لگے۔ اماں آپ نے مجھے برا بننے سے بچا لیا۔ رضیہ بانو نے کہا تم سب اچھے انسان بن کر دنیا میں نام روشن کرو۔ یہی میری خواہش ہے۔

■

Azhar Naiyyar
Vill & P.O: Barhulia, Via.: Kansi Simri
Distt.: Darbhanga - 847106 (Bihar)

الیاس احمد انصاری شاداب

نیا بھارت دیش ہمارا

سنو! غور سے اپنے بھارت کی باتیں
بہاروں کے دن ہیں بہاروں کی راتیں
'مبارک' کے ہاتھوں میں ہے نیٹ اپنا
ہوا جیسے پورا زمانوں کا سپنا
بڑی شان سے اِس کو وہ ہیں چلاتے
وطن کا تعارف جہاں سے کراتے
لو مریخ پہنچے قدم اب ہمارے
ترقی ہے پائی خود اپنے سہارے
بھلائی کے چرچے ہوئے ہر جگہ پہ
لگے بھاگنے شیطاں جانیں بچا کر
کہا نصف ایمان جس کو نبیؐ نے
کیا ہے عمل اس پہ یارو! سبھی نے
ہوئی سب طرف اب تو پھیلی صفائی
صفائی کی تحریک ہے رنگ لائی
تعصب کے رستے ہوئے بند ہیں سب
محبت کے بہتے ہیں گنگ و جمن[1] اب
خدا اس چمن[2] کو سدا شاد رکھے
ہمیشہ ہی شاداب، آباد رکھے

1 گنگ وجمن سے مراد گنگا، جمنا
2 چمن سے مراد بھارت

■

Ilyas Ahmad Ansari Shadab
Attar Gali, Mominpura
Akola - 444001 (Maharashura)

یعقوب ابن مرتضیٰ

بلڈوزر

میں رستم جیسا طاقتور
کہتے ہیں مجھ کو بلڈوزر
میرے ہاتھ تو کوئی دیکھے
اک آگے ہے اور اک پیچھے
محنت کا میں دم بھرتا ہوں
کام بہت مشکل کرتا ہوں
انجن بولے شوں شوں شوں
پہیے گھومیں گھوں گھوں گھوں
میرے کل پرزوں کو گھما کر
کر لو مجھ کو نیچے اوپر
دیواروں، کھمبوں کو گرادو
زائد قبضہ جات ہٹا دو
گھڑگھڑ، دھڑدھڑ، کھڑبڑ، کھڑبڑ
سارا دن بیلوں میں پاپڑ
میں ہوں انسانوں کا نوکر
بلڈوزر ہوں میں بلڈوزر

■

Yaqub Ibne Murtaza
376, Gali No.: 10, Naya Pura
Malegaon - 423203, Nasik (Maharashtra)

قاضی مشتاق احمد

ننھی تیراک

5 دسمبر 1993 کو کڑکڑاتی سردی تھی۔ اتنی سردی میں 35 کلومیٹر تک سمندر کے ٹھنڈے پانی میں تیرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ پونہ کی گیارہ سالہ اسمیتا کرنک نے یہ کارنامہ کر دکھایا۔ یہ ننھی تیراک بے خطر پانی میں کود پڑی۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ آٹھ روز پہلے اُسے تیز بخار ہوگیا تھا۔ اس لیے اس کے والدین یہ چاہتے تھے کہ مقابلہ کی تاریخ آگے بڑھا دی جائے۔ اسمیتا اپنے فیصلہ پر اٹل تھی۔ اس سے پہلے گوا کی نشاما ڈگاونکر نامی ایک بچی نے 'دھرمتر' سے گیٹ وے آف انڈیا تک کا فاصلہ 9 گھنٹے 45 منٹ میں طے کر کے ایک ریکارڈ قائم کیا تھا۔ اسمیتا کو یہ ریکارڈ توڑنا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ ضرور کامیاب ہوگی۔ مقابلہ شروع ہوا، تیز ہواؤں کا زور تھا۔ اسمیتا ٹھنڈے پانی میں کسی مچھلی کی طرح تیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ سمندر کا پانی صاف نہیں تھا، پانی پر تیل کے تھر تھے۔ دھول اور کوڑا کرکٹ سے الگ پریشانی ہو رہی تھی۔ سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ تھا۔ دوسرے دن 'نیوی ڈے' تھا۔ اس لیے 'وکرانت' نامی جہاز بھی وہاں سے گزرنے والا تھا۔ اس کی وجہ سے سمندر کی لہروں میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ ہوسکتا تھا۔ اگر سمندر کی لہروں میں اتار چڑھاؤ زیادہ ہوگیا تو تیراک کے لیے اور بھی زیادہ مشکلات پیدا ہوجاتی ہیں اس لیے اسمیتا نے اپنی رفتار اور تیز کر دی تا کہ وہ اپنی منزل پر جلدی پہنچ سکے۔ 'گیٹ وے انڈیا' پر بہت سے لوگ اسمیتا کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جوں ہی اسمیتا دور سے نظر آئی لوگ تالیاں بجا کر اس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ اسمیتا آگے بڑھتی رہی اور اس نے ریکارڈ توڑ دیا۔ اس نے 9 گھنٹے 35 منٹ میں 35 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرلیا۔ یعنی نشا ڈگاونکر کے مقابلے وہ دس منٹ پہلے پہنچ گئی۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اس نے ایک شاندار ریکارڈ قائم کیا تھا۔ جو تیراکی کی تاریخ میں سنہرے لفظوں میں لکھا جائے گا۔ جوں ہی اسمیتا 'گیٹ وے آف انڈیا' میں داخل ہوئی اس کا شاندار استقبال ہوا۔ اسمیتا کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ اس نے اپنی محنت اور لگن سے اپنی منزل حاصل کر لی تھی۔

■

ماخذ: سچی کہانیاں، مصنف: قاضی مشتاق احمد، سنہ اشاعت: 2010، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

زیب النساء حیا

انوکھی مینا

سمندر سے کچھ ہی دوری پر ایک مچھواروں کی بستی تھی۔ اس بستی میں رحیم نام کا ایک مچھوارا تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام قریبہ تھا۔ بدقسمتی سے قریبہ کی ماں بچپن میں ہی چل بسی تھی۔ رحیم کا ایک ہی خواب تھا۔ کیسے اس کی بیٹی تعلیم حاصل کرے اس کا نام روشن کرے۔ وہ دن رات محنت کرکے قریبہ کی پڑھائی کے لیے پیسہ جمع کرتا۔ ادھر افسوس قریبہ کا دل پڑھائی میں کم کھیل کود میں زیادہ رہتا۔ قریبہ کی یہ حالت دیکھ کر ایک دن رحیم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا بیٹی میں نہیں چاہتا کہ تم بستی کی دوسری لڑکیوں کی طرح اَن پڑھ رہ جاؤ۔ اپنے والد کی بات سن کر قریبہ بولی بابا جان! پڑھ لکھ کر بھی مجھے چولھا چوکا ہی تو کرنا ہوگا۔ قریبہ کی یہ بات سن کر رحیم کو بڑا غصہ آیا اور وہ سیدھا سمندر کے کنارے چلا گیا۔ کچھ دیر خاموش بیٹھا لہروں کو دیکھتا رہا۔ پھر دں ہی دل میں سوچنے لگا۔ میں کیسے سمجھاؤں اپنی ناسمجھ بیٹی کو۔ علم وہ دولت ہے جس کو نصیب ہو اس سے خوش قسمت اور کوئی نہیں۔ ابھی وہ سوچ میں ہی ڈوبا تھا کہ اچانک اس کی نظر ایک زخمی مینا پر پڑی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر مینا کے پاس گیا اور اسے جیسے ہی ہاتھوں میں اٹھایا مینا بول پڑی۔ اے انسان تیرا بڑا ہوگا احسان اگر مجھے جنگل تک پہنچا دے۔ مینا کی بات سن کر رحیم بولا تم فکر نہ کرو۔ میں تمھیں تمھارے گھونسلے تک بھی پہنچاؤں گا اور تمھاری مرہم پٹی بھی کروں گا۔ اس سے پہلے تم میرے گھر چلو۔ رحیم کی رحم دلی دیکھ کر مینا کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ رحیم کے ساتھ اس کے گھر آ گئی۔ قریبہ نے مینا کو دیکھا تو اسے بھی بڑا دکھ ہوا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے بابا کے ساتھ مینا کے زخموں پر مرہم پٹی کروانے میں مدد کی اور اسے کھلایا پلایا۔ رات ہوئی تو قریبہ نے اس کا بچھونا بنایا مگر مینا کی آنکھوں میں تو نیند ہی نہیں تھی۔ اسے اپنے ننھے بچوں کی

یاد آرہی تھی۔ اسے جاگتا دیکھ کر قریبہ اس سے بولی اب سو جاؤ مینا رانی! کل بابا تمھیں جنگل چھوڑ آئیں گے۔ ابھی وہ مینا سے یہ بات کہہ ہی رہی تھی کہ اتنے میں رحیم کمرے میں آئے۔ قریبہ سے بولے بیٹی آج میں تم سے جو کہوں اسے غور سے سننا۔

رحیم نے مینا کی طرف اشارہ کرکے کہا بیٹی کل اگر میں اس زخمی مینا کو اپنے ساتھ نہ لاتا تو نہ جانے اس کا کیا ہوتا۔ کیا پتہ یہ مرجاتی مگر رب نے وقت پر مجھے بھیج دیا اس کی مدد کرنے۔ جانتی ہو جنگل میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر یہ زندہ نہ رہتی تو وہ بچے ہمیشہ کے لیے بے سہارا ہو جاتے۔ اسی طرح آج میں تمھارے ساتھ ہوں۔ تمھارا سہارا ہوں۔ تبھی چاہتا ہوں کہ تم پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ کل اگر میں زندہ نہ رہا تو تم کسی کی محتاج نہ رہو گی۔ رحیم کی بات سن کر قریبہ روتے ہوئے بولی۔ میں سمجھ گئی بابا۔ آج کے بعد سے میں دل لگا کر پڑھوں گی۔ ادھر مینا ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ رحیم جب کمرے سے باہر چلے گئے تو مینا نے قریبہ کو اپنے پاس بلا کر کہا تم نے اپنے بابا کا کہنا مان کر فرمانبرداری کا جو ثبوت دیا ہے، اس بات سے مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا وہ قصہ یاد آرہا ہے جس کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کا تہوار منایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر جو بھی آزمائشیں آئیں، اللہ نے ان سب میں انھیں کامیاب کیا۔

■

Zaibun Nisa
A-1, 4th Floor, M.M. Apartment
Near Shiya Masjid
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

عاکف سنبھلی

کھلونے

بچے میلہ دیکھنے آئے ممّی کو بھی ساتھ میں لائے
پہنچے اس دوکان پہ بچے کھیل کھلونے جس پر بکتے
چابی کا یہ گڈا دیکھو کیسے ہے یہ چلتا دیکھو
بندر ڈفلی خوب بجاتا ٹُھمک ٹُھمک کر ناچ دکھاتا
گڑیا دیکھو اک جاپانی چال بھی جس کی ہے مستانی
دیکھو ڈھول بجاتا بھالو دل سب کا بہلاتا بھالو
جوکر بھی اک ٹھگنا سا سب کو ہنساتا خود بھی ہنستا
اک لمبی سی ریل کھڑی ہے ساتھ میں جس کے پٹری بھی ہے
ننھا منا جھولا بھی ہے دیکھو اک ہنڈولا بھی ہے
مینڈک سامنے جو بیٹھا ہے پھدک پھدک کر وہ چلتا ہے
بچو! یہ ہے فوجی گاڑی ساتھ میں اس کے ہے اک لاری
زرقا تم بھی ان کو دیکھو بہتر جس کو سمجھو لے لو

عاکف کھیل کھلونے سارے
بچوں کا ہیں دل بہلاتے

Dr. Razaur Rahman Akif
Mian Sarai, Katra Bazar
Sambhal (UP)

مشتاق کریمی

آیا ہے بارش کا موسم

رم جھم رم جھم چھم چھم چھم چھم
پیارا سماں ہے کھاؤ بھجیے
دیکھو بجلی کوند رہی ہے
چھت کا پانی گراؤ گڑھے میں
کانوں میں رس گھول رہی ہیں
نم ہاتھوں سے پیارے منّے
زخمی جنگل بھی ممنوں ہے
بارش میں دیکھو ناچ رہے ہیں
چھت موسی کی ٹپک رہی ہے
اے مولیٰ کتنا رحیم ہے تو
آب کی قیمت ہم سب جانیں
ندیوں کو ندیوں سے جوڑیں
قدرت کی یہ نعمت ہے جی
رم جھم رم جھم چھم چھم چھم چھم

آیا ہے بارش کا موسم
گرما گرم گرم گُرم
پیڑ کے نیچے رُکنا نہ تم
نازش، ارحم، سونو، ارقم
بوندوں کی باتیں سرگم سرگم
برقی آلات کو چھونا نہ تم
بارش نے رکھا آگ پہ مرہم
ننگے بچے تاک دِھنا دُھم
بارش کے بعد بھی ٹم ٹم ٹم ٹم
مانگیں قطرہ دریا لے ہم
آ گئے اس کے دینار نہ درہم
قلت ہوئی کم کم کم کم
ناقدری آفت کا پرچم
آیا ہے بارش کا موسم

Mushtaq Karimi
342, Shahid A. Hamid Nagar (Shani Peth)
Jalgaon - 425001 (MS)

رومانہ عفت راھی

آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں

رات اپنی سیاہ چادر بچھا چکی تھی۔ چودھویں کا چاند اپنی پرنور کرنیں بکھیرے ہوئے ستاروں کے ساتھ نہایت ہی شان سے آسمان پہ براجمان تھا۔ وہ اپنے گھر کے کچے صحن میں بچھی چارپائی پہ لیٹا ہوا تھا اور اس کی نظریں تاروں بھرے آسمان پر تھیں۔ اسے بار بار اپنے شفیق استاد جناب سعید علی کا خیال آ رہا تھا کہ اسے دو تین دن سے کلاس میں نہ دیکھ کر انھیں کتنی حیرت ہوئی ہوگی کیونکہ وہ ایک ذہین طالب علم تھا اور روز بلاناغہ اسکول جاتا تھا۔ وہ ہر کلاس میں فرسٹ آتا تھا۔ وہ اپنے ٹیچرز کا Best اسٹوڈنٹ تھا۔ خاص کر کے سعید علی سر کا وہ چہیتا تھا۔ وہ اسے اپنا بیٹا کہتے تھے۔ وہ میٹرک کا طالب علم تھا۔ وہ ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر بننا اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب تھا۔ وہ یعنی شاویز خان غریب گھرانے کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ وہ چار سال کا تھا جب اس کے والد کا انتقال ہوگیا تھا، اس وقت سے اس کی ماں سلائی کڑھائی کرتی تھی۔ اس طرح دونوں ماں بیٹے کی گزر بسر ہو رہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے نویں کلاس تک تو پوزیشن لے لی تھی لیکن اب اسے S.S.C بورڈ کے Exam کی فیس جمع کروانی تھی لیکن اس کے پاس فیس جمع کروانے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ اس کی ماں کچھ دنوں سے بیمار تھی اور اس کی ماں نے جو پیسے اس کی فیس کے لیے جمع کر رکھے تھے شاویز نے ان پیسوں میں اپنی ماں کی دوائیاں خرید لی تھیں اور آج فیس جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی۔ اس کے پاس پیسے نہیں تھے اس لیے وہ دو تین دن سے اسکول نہیں جا رہا تھا۔

دوسرے دن وہ اپنے استاد سعید علی سر کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"شاویز بیٹا! کیا ہمیں اندر آنے کو نہیں کہو گے۔" محبت کی چاشنی میں ڈوبی ان کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ ہڑبڑایا۔

"السلام علیکم سر!... اصل میں آپ میرے غریب خانے پہ تشریف لائے مجھے یقین ہی نہیں آ رہا... ویسے آپ اندر تشریف رکھیے۔ وہ انھیں جھجکتے ہوئے اپنے ساتھ اپنے گھر کی

بیٹھک میں لے آیا۔

”وعلیکم اسلام!“ شاویز بیٹا آپ دو تین دن سے اسکول سے کیوں غیر حاضر ہیں؟... آپ کی پڑھائی کا کتنا حرج ہو رہا ہے..... اور ہاں آپ کی غیرحاضری سے آپ کے سارے ٹیچرز پریشان ہیں..... کیا پریشانی ہے بیٹا اپنے سر سے شیئر نہیں کرو گے؟“ وہ سوالیہ نظروں سے شاویز کی جانب دیکھنے لگے تو وہ نظریں چرانے لگا۔

”Actually سر! وہ میری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے میں اسکول نہ آسکا۔

”بیٹا جی! اب آپ اپنے استاد سے بھی جھوٹ بولنے لگے..... بہت اچھی طرح سے جانتے ہیں ہم آپ کو اور آپ کی آنکھیں بھی آپ کے جھوٹ پر آپ کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔ یہ تو ہمیں پتہ ہی ہے کہ کوئی بھی مسئلہ ہو لیکن آپ اسکول نہیں چھوڑتے.....“ وہ مسکرائے تو وہ شرمندہ ہوگیا۔

”I am really very sorry sir“ لیکن میں نے سوچا ہے کہ میں اب اسکول میں نہیں پڑھوں گا اور کوئی کام ڈھونڈ لوں گا..... اور ویسے بھی اب امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی وہ جھکے سر سے کہنے لگا۔

”بہت خوب شاویز!..... شاباش ہے تم پر..... مجھے یقین ہی نہیں آرہا ہے کہ یہ شاویز خان کہہ رہا ہے..... کہاں گیا وہ تمھارا خواب ڈاکٹر بننے کا..... تم تو ہارٹ اسپیشلسٹ بن کر غریب عوام کی خدمت کرنا چاہتے تھے نا؟“

”سر! ہم جیسے غریبوں کے خواب کہاں پورے ہوتے ہیں..... میرے پاس Exam کی فیس کے لیے پیسے نہیں ہیں..... میں کہاں سے ڈاکٹر بن پاؤں گا۔“ وہ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہوں..... تو اب آئے ہو بچے لائن پر..... میں کل آپ کے گھر آیا تھا آپ گھر پر نہیں تھے..... آپ کی امی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ کے اسکول نہ آنے کی وجہ پوچھی تو آپ کی امی نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔

بیٹا! کیا آپ مجھ سے شیئر نہیں کرسکتے تھے..... میں تو آپ کو اپنا بیٹا سمجھتا ہوں اور ہاں فیس میں بھر چکا۔ آپ بس جلدی سے Exam کی تیاری کرو۔ میں آپ کو ایک نامور ہارٹ اسپیشلسٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کو ڈاکٹر بننے کے لیے

جتنے پیسے لگیں گے میں لگاؤں گا کیونکہ بیٹا میری کوئی اولاد نہیں ہے۔'' شاویز حیرت زدہ سا انھیں دیکھتا رہ گیا۔

پھر دن مہینوں میں، مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے رہے۔

وقت پر لگا کر اڑتا رہا۔ جس نے وقت کی قدر کی وقت ان کے کام آیا اور جس نے وقت کی اہمیت کو نہ جانا وقت انھیں روندتا ہوا گزر گیا۔ آج سعید علی ہاسپٹل کا افتتاح تھا۔ پچھلے مہینے شاویز دس سال کے طویل عرصے کے بعد امریکہ سے ہارٹ اسپیشلسٹ کی ڈگری لے کر اپنے پیارے وطن ہندوستان لوٹ آیا تھا۔ وہ اپنے ملک کے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے استاد محترم کے نام پر ہاسپٹل کا نام 'سعید علی ہاسپٹل' رکھا۔ اسپتال کو بہت ہی خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

''میرے عزیز دوستو! میں ہاسپٹل کے افتتاح سے پہلے آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں..... اس نے ایک نظر کھچا کھچ بھرے ہوئے ہال میں لوگوں پر ڈالی۔

''میں! آج بے تحاشہ خوش ہوں اور کیوں نہ ہوں کہ آج میرا برسوں پرانا خواب پورا ہو گیا۔ لیکن اس وقت میرا دل بہت رو رہا ہے کیونکہ میرے ڈاکٹر بننے کی خوشی جنھیں سب سے زیادہ تھی یعنی میری امی اور میرے استاد محترم جناب سعید علی صاحب وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے..... لیکن پھر بھی وہ میرے دل میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ایک یاد بن کر۔ میں اپنی کامیابی کا کریڈٹ ان دونوں ہستیوں کے نام کرتا ہوں..... میرے استاد نے اپنی ساری دولت میرے حصول علم میں لگا دی اور میری ماں جن کی دعاؤں کی بدولت آج میں اس مقام پہ پہنچا ہوں۔'' ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

کچھ دیر بعد شاویز اپنے اسپتال میں چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کے استاد کا خط تھا جو انھوں نے آخری بار اسے امریکہ روانہ کیا تھا جب اسے امریکہ گئے ہوئے پانچ سال ہوئے تھے۔

خط کچھ اس طرح تھا:

میرے عزیز شاویز! السلام علیکم

مجھے امید ہے کہ تم وہاں خیریت سے ہو گے۔ میں یہاں اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہوں۔ میں تم سے زیادہ لمبی چوڑی گفتگو نہیں کر سکتا۔ میں بس تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم جب ڈاکٹر بن جاؤ تو خود کو اپنے ملک کے لوگوں کی خدمت کے لیے وقف کر دینا اور ہاں جس طرح سے میں نے ایک چراغ جلایا تھا تم بھی اسی طرح چراغ جلاتے رہنا کیونکہ اگر چراغ سے چراغ جل اٹھیں گے تو ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

فقط

تمھارا سچا خیر خواہ

سعید علی

شاویز کے ہاتھ میں خط کانپ رہا تھا اور اس کے آنسو خط پر گر رہے تھے۔ یہ خط اس کے استاد کا آخری خط تھا جو اسے کسی متاعِ حیات کی طرح عزیز تھا۔

''ہاں..... ہاں میں وعدہ کرتا ہوں میرے استاد محترم۔ میں بھی اسی طرح سے چراغ جلاؤں گا جس طرح سے آپ نے جلایا تھا۔ وہ خط کو چومتے ہوئے کہنے لگا۔

''آندھیوں میں چراغ جلتے ہیں۔''

■

Rumana Iffat Rahi
Hirapura, Near Masjid, Darus Salam
Achalpur City
Amravti 444806 (Maharashtra)

اقبال برکی

ہمدردی

مہینے کی آخری تاریخ ہونے کی وجہ سے اسکول کی جلدی چھٹی ہوگئی تھی، مگر اسے اس کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ آج تو اس کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ ویسے جب بھی اسے راحیل کا خیال آتا، اس کا خون گرم ہوجاتا تھا۔ وہ نفرت سے زمین پر تھوک دیتا۔ ابھی تین روز پہلے اس کی راحیل سے ایک بار پھر لڑائی ہوئی تھی۔ راحیل نے اسے تھپڑ مارا تھا۔ جواب میں اس نے بھی اس پر ہاتھ چلائے تھے اور پھر دونوں گتھم گتھا ہوگئے تھے۔ اس وقت دوسرے لڑکے ان دونوں کی طرف دوڑ پڑے اور انھیں ایک دوسرے سے الگ کردیا۔ اس نے اسی دن فیصلہ کرلیا تھا کہ اب وہ کبھی راحیل سے بات نہیں کرے گا۔

مگر کل راحیل کلاس میں نہیں تھا۔ کل کسی نے توجہ بھی نہیں دی تھی، لیکن آج جب وہ اسکول پہنچا تو سب سے پہلے اسے یہی خبر ملی تھی کہ راحیل کی امی ہاسپٹل میں ہے۔ وہ جہاں کام کے لیے جاتی تھی وہاں صفائی کے دوران زینے پر سے گر گئی تھی اور بے ہوش ہوگئی تھی۔ آج بھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ حالانکہ راحیل سے اسے سخت نفرت تھی مگر اس کی امی کے بارے میں سن کر اسے اچھا نہیں لگ تھا۔

وہ اپنا بستہ رکھ کر گھر کے آنگن میں آ بیٹھا۔ اس کے آنگن میں ایک خوب موٹا اور بڑا سا پیپل کا پیڑ تھا، اس کے سائے میں ان کا ایک لوہے کا بڑا سا پلنگ پڑا رہتا تھا جس پر کبھی اس کے گھر والے تو کبھی پڑوسی اور کبھی ان کے بچے آکر کچھ دیر بیٹھے گپ شپ میں لگے رہتے تھے۔ صفوان پلنگ پر آبیٹھا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کے سامنے زمین پر ایک پکوڑا آگرا اور کوؤں کی کائیں کائیں سنائی دینے لگی۔ صفوان جب تک اوپر دیکھتا ایک کوا تیر کی طرح تیزی سے زمین پر آیا۔ پکوڑے کو چونچ میں دابا اور پھر لے اڑا۔ اس کے پیچھے ہی ایک دوسرا کوا بھی پکوڑا چھین لینے کے لیے لپکا تھا لیکن پہلے والا کوا پکوڑا اٹھائے پیپل کی ایک خوب دور تک پھیلی ہوئی نچلی شاخ پر جا بیٹھا تھا۔ دوسرا کوا زمین پر بیٹھا ایک دو مرتبہ کائیں کائیں بولا اور پھر پھر سے اڑ کر پہلے کوے سے پکوڑا چھین لینے کے لیے اس پر حملہ آور ہوا۔ پہلے والا پکوڑا چونچ میں دبائے پھر زمین پر آرہا۔ دوسرا بھی اس کے پیچھے ہی آیا تھا۔

صفوان سب کچھ بھول کر کوؤں کی اس چھینا جھپٹی میں الجھ کر رہ گیا۔ وہ شوق اور دلچسپی سے دونوں کوؤں کا یہ کھیل دیکھ رہا

تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔وہ کوّوں کو دیکھتا رہا۔کوّے کبھی ایک شاخ سے دوسری شاخ پر جاتے تو کبھی زمین پر چلے آتے۔ پہلے والا کوا پکوڑا اکیلے ہی ہڑپ کر جانا چاہتا تھا کیونکہ وہی اسے نان بائی کے یہاں سے اڑا کر لایا تھا لیکن دوسرا کسی بھی طرح اس سے چھیننے اور لوٹنے کی کوشش کررہا تھا۔اچانک پہلے والا کوا پکوڑا چونچ میں دبائے پیپل کی طرف آنے کی بجائے نکڑ والی بلڈنگ کی طرف لپکا اور بجلی کے تار سے جا ٹکرایا۔صفوان سمجھ ہی نہیں سکا کہ وہ کیسے بجلی کے تار میں جا الجھا تھا۔ایک زوردار آواز ہوئی اور کوا پٹ سے زمین پر آگرا۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ بے جان ہوگیا تھا۔اس کا پکوڑا بھی اس کے قریب ہی پڑا تھا۔دوسرا کوا بلڈنگ کے سامنے والے مکان کی چھت پر جا بیٹھا اور کائیں کائیں کرنے لگا۔اس کی کائیں کائیں سن کر پہلے دو کوّے نہ جانے کہاں سے آ پہنچے اور ادھر ادھر بیٹھ کر وہ بھی ان کے ساتھ ہی بولنے لگے۔ پھر اور کوّے آئے اور پھر تو آتے ہی چلے گئے۔دیکھتے ہی دیکھتے پیپل پر اور آس پاس کے مکانوں پر بہت سے کوّے جمع ہوگئے تھے۔وہ سب ایک ساتھ چلّا رہے تھے۔جیسے اس مرنے والے کا ماتم کررہے ہوں۔صفوان بہت غور سے انھیں دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر تغیر نمودار ہوا۔اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔اب اسے کوّوں کا شور بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک صفوان کے ابو گھر سے باہر نکل آئے اور بولے بیٹا ”یہاں اکیلے بیٹھے کیا کررہے ہو؟“

صفوان اٹھ کر ان کے پاس آیا اور ان کا دایاں ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا ”پاپا، فاران ہاسپٹل چلیے نا۔وہاں راحیل کی امی ایڈمٹ ہیں۔انھیں ابھی تک ہوش نہیں آیا ہے۔“

اس کے پاپا کے منہ سے نکلا ”اوہ۔“ پھر کچھ دیر بعد وہ بولے، ”اچھا ٹھہرو۔تمھاری امی کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں۔تم انھیں لے کر آؤ تب تک میں گاڑی نکالتا ہوں۔“

کچھ دیر بعد صفوان اپنی امی اور پاپا کے ساتھ فاران ہاسپٹل میں تھا۔راحیل کی امی کو ابھی ابھی ہوش آیا تھا۔اس کے قریب ڈاکٹر فارانی اور راحیل دونوں کھڑے تھے۔صفوان کے ابو اور ڈاکٹر فارانی کے دیرینہ مراسم تھے۔ڈاکٹر صاحب انھیں دیکھ کر مسکرائے اور سلام کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے پوچھا، ”ارے آپ یہاں کہاں؟“

صفوان کے پاپا راحیل کی امی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے، ”انھیں دیکھنے آئے تھے۔سنا ہے کئی دن سے بے ہوش تھیں۔“

”ہاں۔مگر اللہ کا شکر ہے۔کوئی بڑا خطرہ نہیں ہے۔ایک ہاتھ فریکچر ہوا ہے لیکن کمزوری بہت زیادہ ہے۔“ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب انھیں دیکھو۔صفوان کے کلاس میٹ کی امی ہیں۔“ صفوان کے ابو بولے۔

ڈاکٹر صاحب نے فوراً جواب دیا، ”آپ فکر نہ کریں۔سب ٹھیک ہوجائے گا انشاءاللہ۔“

جب صفوان اپنے ابو اور امی کے ہمراہ ہاسپٹل سے باہر نکل رہا تھا تو اسی وقت راحیل دوڑ کر آیا اور صفوان سے لپٹ پڑا۔وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

■

Dr. Iqbal Berki
155, MHADA, Noor Bagh
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)

سلیم خان

چِپکا ہوا نوٹ

بازار سے لوٹنے کے بعد مرزا صاحب کی جیب میں دس بیس اور پچاس کے کچھ نوٹ بچے ہوئے تھے۔ان نوٹوں کو ترتیب دیتے وقت انھیں پچاس کے ایک نوٹ کو AdhsiveTape لگا ہوا دکھائی دیا۔ چپکا ہوا نوٹ دیکھ کر مرزا صاحب سکتے میں آگئے کہ یہ پچاس کا نوٹ انھوں نے کیسے لے لیا۔ رکشہ والے نے تو ان سے دس روپے کا معمولی چپکا ہوا نوٹ نہیں لیا تھا۔اب یہ پچاس کا نوٹ کیسے چلے گا۔وہ سوچ میں پڑ گئے۔ انھیں فکر مند دیکھ کر بیوی نے کہا،"کیا بات ہے جی۔؟ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔"

"بیگم لین دین میں جانے کیسے یہ چپکا ہوا نوٹ آ گیا۔"

"خود سے آ گیا یا آپ کی لاپرواہی سے۔!" بیوی نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"بیگم بھول چوک تو ہوجاتی ہے آپ سے بھی ہوسکتی ہے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ لائیے مجھے دیجیے،میں اسے چلا دوں گی۔"

"ہاں ہاں ضرور،یہ لیجیے سرکار اور یہ نوٹ چلانے کا پیشگی انعام بھی حاضرِ خدمت ہے۔" مرزا صاحب نے بیگم کو خوش کرنے کے لیے چپکے ہوئے نوٹ کے ساتھ بیس کا ایک کرارا گلابی نوٹ تھماتے ہوئے کہا۔ بیوی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔اس نے نوٹ فوراً جیب میں رکھ لیے کہ میاں کہیں وہ بیس کا نوٹ واپس نہ مانگ لیں۔

مرزا صاحب کی بیوی پھٹے پرانے،چپکائے ہوئے نوٹ چلا دیا کرتی تھی لیکن اب دور بدل چکا تھا۔خراب نوٹ بازار میں چل نہیں رہے تھے۔ ہر کوئی بڑی توجہ سے لین دین کر رہا تھا۔مگر مرزا صاحب نے اس ضمن میں بیوی کو کچھ نہیں بتایا کہ اگر بھولے سے کسی نے نوٹ لے لیا تو وہ خسارے سے بچ جائیں گے۔

مرزا صاحب کی بیوی نے ہر ممکن کوشش کی مگر وہ نوٹ چلانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ ایک روز شام کی چائے کے دوران بیوی نے کہا،چپکا ہوا نوٹ تو کسی طور نہیں چل رہا ہے۔ آپ نے کیسے آنکھیں بند کر کے لے لیا۔؟" مرزا صاحب نظریں چرا کر بولے،"شاید وہ نوٹ دو چار نوٹوں کے درمیان ہوگا اس لیے مجھے دکھائی نہیں دیا۔" مرزا صاحب کا جواب سن کر اچانک بیوی کی آنکھیں چمک اٹھیں اور اس نے چہک کر کہا،"خیر چھوڑیے، اب ایک ترکیب ذہن میں آ گئی۔" مرزا صاحب نے دلچسپی سے پوچھا،"کونسی ترکیب آئی ہے،ذرا ہمیں بھی تو بتائیے سرکار۔!؟"

"دودھ والے کو اس مہینے پچاس کے نوٹوں میں یہ نوٹ ملا کے دے دیں گے۔"

"یعنی گھوٹالہ واہ سرکار واہ، آپ کو تو منسٹر ہونا چاہیے تھا،اس دیش کا بول بالا ہوجاتا۔"

"مذاق چھوڑیے پہلے یہ بتائیے یہ اسکیم کیسی ہے۔؟"

"بیگم آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔اس ترکیب میں شاید ہم

کامیاب ہوجائیں۔"

دس سالہ محمد خالد اسکول کی تیاری کرتے ہوئے اپنے دادا دادی کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ فوراً ان کے پاس آیا اور ادب سے مخاطب ہوا، "نہیں نہیں دادی جان آپ ایسا ہرگز نہ کریں، یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"ارے، واہ میاں، ٹھیک کیوں نہیں ہے، ہمیں بھی تو کسی نے یہ نوٹ دے کر اپنا نوٹ چلایا ہے۔"

"دادی جان، ہم اچھے انسان ہیں۔ ہمیں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیے، ہمارے استاد نے کہا ہے، اگر کوئی ہمیں دھوکا دے کر نقصان پہنچائے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں ہمیں اس کا نیک بدلہ دے گا۔"

اپنے پوتے کی عالمانہ باتیں سن کر دادا دادی ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ لمحہ بھر بعد مرزا صاحب نے کہا، "لیکن بیٹے اب ہم اس نوٹ کا کیا کریں۔؟"

"آپ لوگ ٹینشن مت لیجیے۔ وہ نوٹ مجھے دے دیجیے۔" خالد نے خود اعتمادی سے کہا۔

دادا، دادی جانتے تھے کہ وہ بڑا ذہین اور ہوشیار لڑکا ہے۔ ضرور کچھ نہ کچھ...

"دے دیجیے بیگم۔"

دادا جان کے کہنے پر دادی جان نے پچاس کا نوٹ خالد کے حوالے کر دیا اور وہ معمول کے مطابق انھیں سلام کر کے اسکول چلا گیا۔

اگلے دن جب گھر کے لوگ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، خالد نے بلند آواز میں انھیں متوجہ کیا، دیکھیے، دیکھیے۔ سب ادھر دیکھنے لگے اور پھر اس نے کسی جادوگر کی طرح جیب سے پچاس کا نیا نوٹ نکال کر ڈرامائی انداز میں دادی جان کے سامنے رکھ دیا۔ دادی جان نوٹ کو حیرت سے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہ گئیں۔ دادا جان نے تعجب سے پوچھا "ارے خالد میاں یہ نوٹ نیا کیسے ہوگیا۔!؟" خالد نے معنی خیز انداز میں جواب دیا، "دادا جان ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے، اگر نیت نیک ہو تو رستہ نکل آتا ہے۔"

"مطلب۔! میں سمجھا نہیں۔!!"

"دادا جان، میرے دوست عابد کے والد اسٹیٹ بینک کے منیجر ہیں۔ ہماری گزارش پر انھوں نے یہ نوٹ بینک سے تبدیل کروادیا۔"

"یعنی پھٹے پرانے نوٹ ہم بینک سے تبدیل کراسکتے ہیں۔"

"جی دادا جان لیکن اصول وضوابط کے مطابق۔"

"شاباش بیٹے۔!" دادا جان نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

"ابو نے خالد کا امتحان لینے کی غرض سے پوچھا" اچھا میاں، یہ بتایئے بینک ان کٹے پھٹے نوٹوں کا کیا کرتی ہے۔؟

"ابو جان یہ سارے نوٹ ریزرو بینک آف انڈیا (Reserve Bank Of India) میں جمع ہوجاتے ہیں۔ پھر ان ناکارہ نوٹوں کے بدلے نئے نوٹ چھپ جاتے ہیں۔

ابو نے خوش ہو کر کہا، دیکھا امی جان! تعلیم سے کیسے مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

اس بات پر دادی جان نے خوش ہوکر خالد کو بانہوں میں بھر لیا اور اسے وہ بیس کا نوٹ انعام دے دیا جو دادا جان نے انھیں دیا تھا۔

■

Saleem Khan
Millat Nagar, Faizpur
Distt: Jalgaon 425503 (Maharashtra)

عبدالقیوم ماسٹر

نام اور کام

زیدان: نام سے آدمی کی عزت ہوتی ہے اس لیے آدمی کا نام خوبصورت ہونا چاہیے۔

افنان: نہیں۔ آدمی کی عزت اور شہرت اس کے کام سے ہوتی ہے۔ اس کا کام اچھا ہونا چاہیے۔ (دونوں بچے اپنے دادا جان کے پاس جاتے ہیں)

افنان: دادا جان! دادا جان!! اب آپ فیصلہ کیجیے۔ میں کہتا ہوں آدمی کی عزت اس کے کام سے ہوتی ہے مگر زیدان کہتا ہے آدمی کی عزت اس کے نام سے ہوتی ہے۔

دادا جان: تم نے یہ بہت اچھا سوال کیا۔ بچوں کو اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں سے اس طرح کے سوالات کرتے رہنا چاہیے اور ان کا بھی فرض بنتا ہے کہ بچوں کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دے کر انھیں مطمئن کریں۔ میں تمھیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ جس میں تم دونوں کے سوالات کے جوابات موجود ہیں اور تم خود فیصلہ کرنا کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔

دادا جان: سنو! شہر کے ایک مشہور اسکول میں ایک لڑکا جماعت ہفتم میں زیرِ تعلیم تھا۔ اس کا نام کالے خاں تھا۔ جماعت کے بچے اسے 'کلّو، کلّو' چڑاتے تھے۔ ایک دن وہ بہت اداس ہو کر ہیڈ ماسٹر کے پاس گیا۔

کلّو: "جناب! میرا نام بہت بھدّا اور خراب ہے آپ میرا نام بدل کر کوئی اچھا سا نام رکھ دیجیے۔"

ہیڈ ماسٹر: "ٹھیک ہے میں تمھارا نام بدل دوں گا مگر وہ اچھا نام تمھیں ہی ڈھونڈ کر لانا ہوگا۔"

کلّو: ٹھیک ہے سر، میں کوئی اچھا نام ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔

آپ میرا نام بدل کر وہی نام رکھ دیجیے۔ چلتا ہوں۔ السلام علیکم۔''

ہیڈ ماسٹر: (مسکرا کر) ''وعلیکم السلام۔''

نئے نام کی تلاش میں کلّو نکل پڑا۔ چلتے چلتے اچانک وہ ایک اندھے سے ٹکرا گیا۔ اندھا گر پڑا۔ کلّو کو بہت افسوس ہوا۔ اس نے اندھے کو اٹھایا معافی مانگی اور اس کا نام پوچھا۔

کلّو: ''معاف کرنا بابا۔ آپ کا نام کیا ہے؟''

اندھا: ''نین سکھ۔''

نام سن کر کلّو کو دل میں ہنسی آئی۔ ''آنکھ کا اندھا اور نام نین سکھ۔''

کلّو وہاں سے آگے بڑھا اس کی نظر ایک خوبصورت اور شاندار بنگلہ پر پڑی۔ اس نے سوچا اتنے عالیشان بنگلہ میں رہنے والے کام بھی بہت ہی اچھا اور شاندار ہوگا۔

کلّو: (دربان سے) اس بنگلہ میں کون رہتا ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟

دربان: تمھیں نہیں معلوم؟ یہ شہر کے سب سے امیر آدمی سیٹھ فقیر چند کا بنگلہ ہے۔ کلّو کو بڑا تعجب ہوا۔ نام سیٹھ فقیر چند اور رہنے کے لیے اتنا شاندار بنگلہ!

کلّو وہاں سے آگے بڑھا۔ ایک محلے میں بڑے زوروں کی لڑائی ہورہی تھی۔ ایک طرف محلے کی ساری عورتیں اور دوسری طرف ایک اکیلی عورت۔ کلّو بھیڑ میں شامل ہوگیا اور تماشہ دیکھنے لگا۔ پاس کھڑی عورت سے اس نے پوچھا۔

کلّو: یہ کون عورت ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟

عورت: کیا کروگے اس چڑیل کا نام پوچھ کر۔ اس کا نام خیرالنساء ہے۔ کلّو نے دل میں سوچا نام خیرالنساء یعنی اچھی اور نیک عورت اور کام لڑنا جھگڑنا۔ جھگڑا ختم ہوا کلّو آگے چلا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک آدمی نے کلّو کو آواز دی۔

آدمی: بیٹا! ذرا یہ خط پڑھ کر سنانا۔

کلّو: ''جی اچھا۔''

کلّو نے خط پڑھ کر سنا دیا اور اس کا نام پوچھا۔

کلّو: ''چچا جان! آپ کا نام کیا ہے؟''

آدمی: ''محمد فاضل۔''

کلّو کو بڑی ہنسی آئی۔ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ یہاں بھی نام کے اُلٹ کام۔ اب کلّو سمجھ گیا کہ دنیا میں نام کی نہیں کام کی اہمیت ہوتی ہے۔ دوسرے دن وہ سیدھا آفس میں گیا۔

کلّو: ''السلام علیکم سر۔''

ہیڈ ماسٹر: ''وعلیکم السلام۔ کہو کوئی اچھا سا نام ڈھونڈ کر لائے۔''

کلّو: ''نہیں سر۔ اب میں سمجھ گیا کہ دنیا میں نام کی نہیں کام کی اہمیت ہوتی ہے۔ آدمی اپنے کام سے ہی عزت اور شہرت پاتا ہے۔ مجھے اپنا نام نہیں بدلنا ہے۔

(کہانی سن کر دادا جان)

دادا جان: تو بچو! اب تمھاری سمجھ میں آیا کہ دنیا میں نام کی نہیں کام کی اہمیت ہے۔''

افنان اور زیدان: ''جی ہاں! دادا جان۔''

■

Abdul Qayyum Mastar
Qassab Bara Gali,7, Ghar 2258
Dhulia - (Maharashtra)

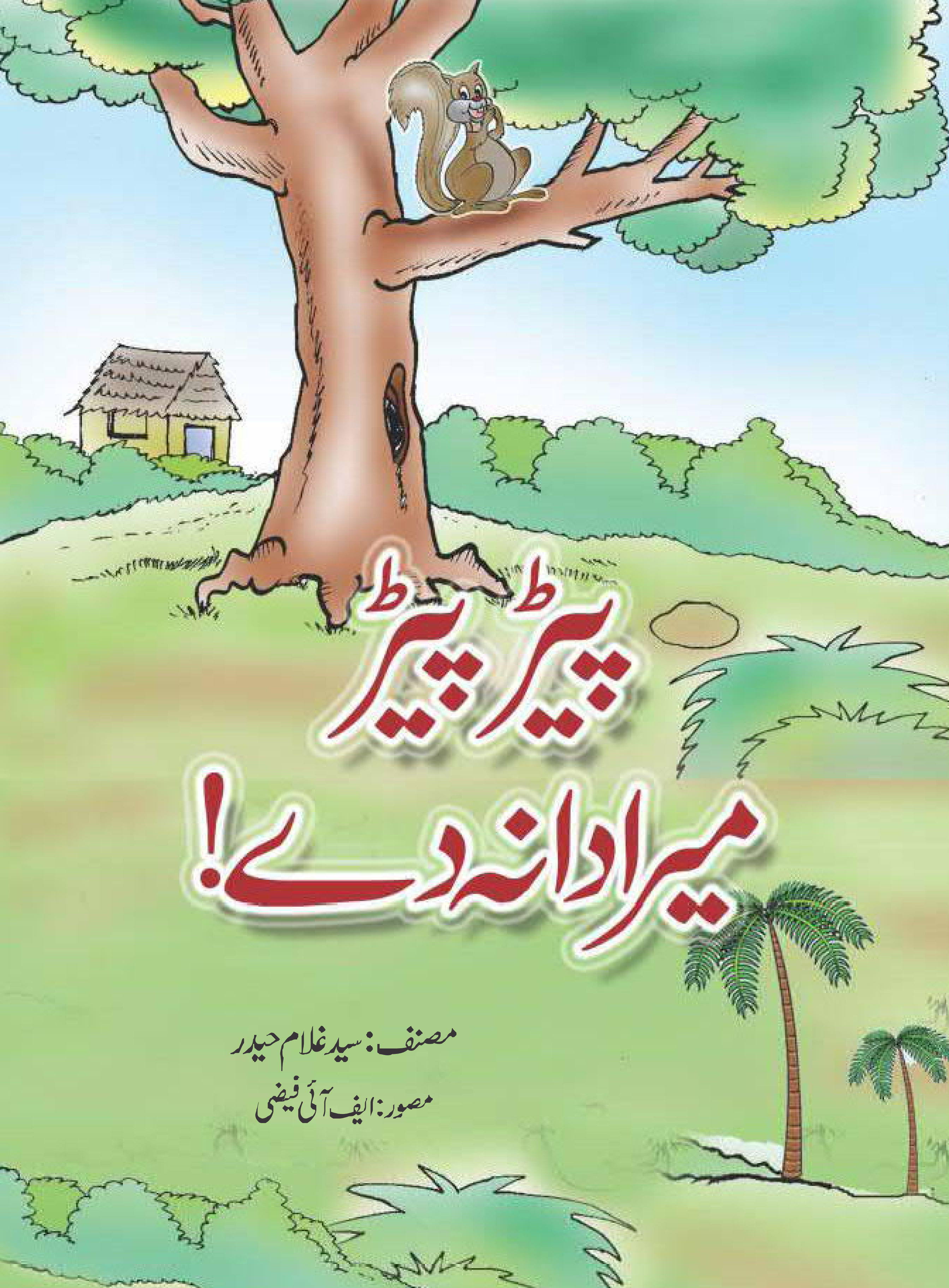

پیڑ پیڑ میرا دانہ دے!

مصنف: سید غلام حیدر
مصور: الیف آئی فیضی

ایک تھی گلہری ــــــ نام تھا کٹّو۔

کٹّو گلہری پیڑ پر بیٹھی مزے سے چنے کھا رہی تھی۔

کٹّو کا چنے کا ایک دانہ گر گیا پیڑ کے ایک سوراخ میں۔

کٹّو بولی: ’’پیڑ پیڑ میرا دانہ دے! میرا دانہ دے‘‘

پیڑ بولا: ’’میں تو نہیں دیتا!‘‘

کٹّو نے سوچا، ’کون میری مدد کرے گا‘!؟

•

کٹّو ایک بڑھئی کے پاس گئی ــــــ بولی

’’بڑھئی بڑھئی تو پیڑ کو کاٹ دے!‘‘

’’میں تو نہیں کاٹتا!‘‘ بڑھئی بولا

’’پھر کٹّو سپاہی کے پاس گئی اور بولی:

’’پیڑ میرا دانہ نہیں دیتا،

بڑھئی پیڑ نہیں کاٹتا،

سپاہی تو بڑھئی کو پکڑ لے!‘‘

’’نہیں بیٹا اچھا ہوتا ہے ــــــ میں بڑھئی کو نہیں پکڑوں گا‘‘ سپاہی نے کہا

کٹّو راجا کے پاس گئی اور بولی:

”راجا راجا سپاہی کو نکال دے!“

”کیوں!؟“ راجا نے پوچھا

”پیڑ میرا دانا نہیں دیتا،

سپاہی بڑھئی کو نہیں پکڑتا،

تو سپاہی کو نکال دے!“

”مگر پیڑ تو اچھا ہوتا ہے!“ راجا نے کہا

”مگر وہ میرا دانہ نہیں دیتا!“

”پھر بھی میں سپاہی کو نہیں نکالوں گا“ ـــــــ راجا بولا

اب کٹو، رانی کے پاس گئی، اور بولی

''رانی رانی تو راجا سے روٹھ جا!''

''کیوں؟'' رانی نے پوچھا

''پیڑ میرا دانہ نہیں دیتا،

بڑھئی پیڑ کو نہیں کاٹتا،

سپاہی بڑھئی کو نہیں پکڑتا،

راجا سپاہی کو نہیں نکالتا......''

''نہیں میں راجا سے نہیں روٹھوں گی ــــ اور پیڑ تو مجھے پھول پھل دیتا ہے!''

رانی نے کہا

''مگر وہ میرا دانہ نہیں دیتا''

پھر کٹّو چوہیا کے پاس پہنچی اور چوہیّا سے کہا:

چوہیّا چوہیّا تو رانی کے کپڑے کاٹ لے!''

''کیوں؟ میں رانی کے کپڑے کیوں کاٹوں؟''

''پیڑ میرا دانہ نہیں دیتا،

بڑھئی پیڑ کو نہیں کاٹتا،

سپاہی بڑھئی کو نہیں پکڑتا،

راجا سپاہی کو نہیں نکالتا،

رانی راجا سے نہیں روٹھتی......''

چوہیا بولی ''میں رانی کے کپڑے نہیں کاٹوں گی ـــــــ اور پیڑ کی جڑ میں تو میری دادی رہتی ہے!''

''مگر پیڑ میرا دانہ کیوں نہیں دیتا؟''

•

کٹّو سیدھی بلی کے پاس آئی اور بولی: ''بلّی خالا، بلّی خالا! تم چوہیّا کو پکڑ لو!''

''کیوں؟ میں چوہیّا کو کیوں پکڑ لوں؟'' بلّی نے پوچھا۔

بڑھئی پیڑ کو نہیں کاٹتا،

سپاہی بڑھئی کو نہیں پکڑتا،

راجا سپاہی کو نہیں نکالتا،

... جاری

علی عباس امید

روشن تاریخ

یونان کے کسی گاؤں میں ایک لڑکا تھا۔ وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹتا تھا۔ دن بھر میں جتنی لکڑیاں وہ کاٹ لیتا تھا ان کو اکٹھا کر کے مضبوط گٹھر باندھ لیتا اور شام کو قریب کے کسی بازار میں جا کر انھیں بیچ دیتا تھا۔ اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہی اس کے گزر بسر کا ذریعہ تھی۔

ایک دن عجب اتفاق ہوا۔ وہ لکڑیاں سر پہ اٹھائے بازار جارہا تھا۔ اسی طرف سے گزرتے ہوئے ایک نظر شناس عالم کی نظر اس پر پڑی۔ وہ چونک گئے۔ لڑکے نے سر پہ لکڑیوں کا جو گٹھر اٹھا رکھا تھا اسے دیکھ کر وہ چونک پڑے۔ لکڑیوں کو اس خوبصورتی سے باندھا گیا تھا کہ جیسے باقاعدہ انھیں سجایا گیا ہو۔ انھوں نے لڑکے کو روک کر پوچھا ''لکڑیوں کا یہ گٹھر کس نے بنایا ہے؟''

لڑکے نے جواب دیا ''جی، میں نے ہی اسے باندھا ہے۔''

''کیا تم اسے کھول کر دوبارہ ایسے ہی باندھ سکتے ہو؟''

انھوں نے پھر سوال کیا؟

''جی ہاں! کیوں نہیں یہ تو میرا روز کا ہی کام ہے۔'' لڑکا بولا۔

لڑکے کا جواب سن کے انھوں نے اس سے فرمائش کی ''اچھا، اگر ایسا ہے تو اس گٹھر کو کھول کر لکڑیوں کو پھر اسی طرح باندھ کر دکھاؤ۔''

ان کی بات سن کر ہنستے ہوئے اس لڑکے نے وہیں لکڑیوں کو بکھیر دیا۔ پھر ایک ایک کر کے انھیں اٹھایا اور چند ہی منٹوں میں ویسا ہی خوبصورت گٹھر بنا دیا۔

یہ دیکھ کر وہ بزرگ عالم متحیر ہوئے اور لڑکے سے پوچھا ''کیا تم میرے ساتھ چل سکتے ہو؟''

''چل تو سکتا ہوں لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا؟'' لڑکے نے ان سے جاننا چاہا۔

انھوں نے بتایا ''کچھ نہیں، بس تم کو پڑھنا ہوگا۔ اس کے بدلے میں تمھاری ہر طرح کی ضروریات پوری کرنے کی ذمے داری میری ہوگی۔''

اس پیش کش سے لڑکا بہت خوش ہوا اور ان کے ہمراہ ہولیا۔

اپنی خداداد ذہانت اور لگن سے بہت ہی کم وقت میں اس لڑکے نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی۔ بعد میں وہ لڑکا دنیا بھر میں عظیم فلسفی پائیتھاگورس کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ بھلا انسان جس نے اس کی صلاحیت کو محسوس کر کے اپنے ہمراہ لیا اور اس کی زندگی سنوارنے کا بڑا کام انجام دیا تھا وہ تھا یونان کا معروف ڈیماکریٹس۔

دونوں ہی ناقابل فراموش اور تاریخ کی اہم شخصیتیں ہیں۔

■

Dr. Ali Abbas 'Ummid'
Star Residency, Idgah Hills
Bhopal - 462001 (MP)

ناظمہ پروین

خوف ناک دیوہیکل ٹیرر برڈ

کسی ایسے پرندے کا تصور کریں جو آٹھ فٹ اونچا اور ڈیڑھ سو کلو وزنی ہو۔ یہ شکاری پرندہ 65 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے۔ اس کی مضبوط چونچ اور لمبے لمبے خم دار پنجے منٹوں میں اپنے شکار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں تو اس پرندے کو آپ خوف ناک پرندہ ہی کہیں گے۔ اگر اتنا بڑا اور خونخوار پرندہ انسان کے پیچھے لگ جائے تو وہ دوڑ کر اپنی جان نہیں بچا سکتا۔ کیونکہ انسان مشکل سے 25 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ شکر ہے کہ یہ خوف ناک شکاری پرندہ آج موجود نہیں ہے ورنہ شکاریوں کی فہرست میں یہ سب سے اوپر ہوتا۔ یہ پرندہ ڈھائی یا تین لاکھ سال قبل شمالی امریکہ میں پایا جاتا تھا۔ اس دور میں وہاں بڑے بڑے گھاس کے میدان، جھیلیں اور دریا تھے۔ جہاں یہ پرندہ چوپایوں اور دوسرے پرندوں کا شکار کرتا پھرتا تھا۔ اس کی خوف ناک صورت اور دہشت ناک شبیہ کے سبب ہی ماہرین نے اس کا نام ٹیرر برڈ (Terror Bird) رکھا ہے۔ اس پرندے کو ٹائٹانس ولیری کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ابھی تک اس کے جو باقیات ملے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دو لاکھ سال قبل پایا جاتا تھا۔ جبکہ بعض محققین کا دعویٰ ہے کہ آخری ٹیرر برڈ پندرہ ہزار سال پہلے تک شمالی امریکہ میں رہتا تھا۔ اس کی ہڈیاں فلوریڈا اور ٹیکساس میں ملی ہیں۔

یہ پرندہ اڑ نہیں سکتا تھا۔ اسے قدرت نے تیز دوڑنے کے لیے مضبوط ٹانگیں دی تھیں جن میں ٹی ریکس ڈائنا سور کی طرح خم دار نوکیلے پنجے تھے۔ لاکھوں سال قبل شمالی امریکہ

میں اسی قسم کے دیگر پرندے بھی پائے جاتے تھے جن میں اکثر شکاری تھے۔ اس کی چونچ کلہاڑی کی طرح تیز اور قاتل تھی جو منٹوں میں بڑے سے بڑے شکار کے ٹکڑے کرسکتی تھی۔ اس کے پر بہت چھوٹے تھے جنھیں ٹیرر برڈ اڑنے کے لیے تو قطعی استعمال نہیں کرتا تھا۔ جس دور میں ٹیرر برڈ شمالی امریکہ میں دہشت پھیلائے ہوئے تھا، یہ وہ دور تھا جب آج پائے جانے والے کئی چوپائے چھوٹے سائز کے تھے اور ٹیرر برڈ اُن کا آسانی سے شکار کرلیا کرتے تھے۔ اس دور میں کئی اور پرندے اور جانور غیر معمولی بڑے اور خوف ناک تھے۔

ٹیرر برڈ کے ہی کچھ رشتے دار جو سائز میں اس سے تھوڑے کم تھے جنوبی امریکہ میں پائے جاتے تھے۔ اس کے جو باقیات ملے ہیں ان کی روشنی میں یہ شمالی امریکہ میں پایا جانے والا سب سے بڑا اور ڈراؤنا پرندہ تھا۔ کیا اس سے بھی بڑے پرندے دنیا میں پائے جاتے تھے؟ اس کی جستجو مختلف ملکوں کے سائنس داں کررہے ہیں۔ اس کی کھوپڑی کی بناوٹ دیکھ کر ماہرین نے بتایا ہے کہ اس کی نظر اور سونگھنے کی قوت دونوں بہت تیز تھیں۔ یہ اپنے شکار کو دیکھ کر اس کی دوری کا اندازہ کرلیتا تھا اور چیتے کی طرح تیز رفتار سے دوڑتے ہوئے اس پر حملہ کردیتا تھا۔ اس کی مضبوط ٹانگیں اور ٹھوس پنڈلیاں دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت تیز دوڑ کر اپنے شکار کو پکڑ لیتا تھا۔ ماہرین کا یہ بھی دعوا ہے کہ ٹیرر برڈ مردہ جانوروں کو بھی کھالیا کرتے تھے۔

■

Nazma Parveen
2793, Pahari Bhojla
Jama Masjid
Delhi - 110006

سیدہ اریبہ نایاب سید منیر الدین

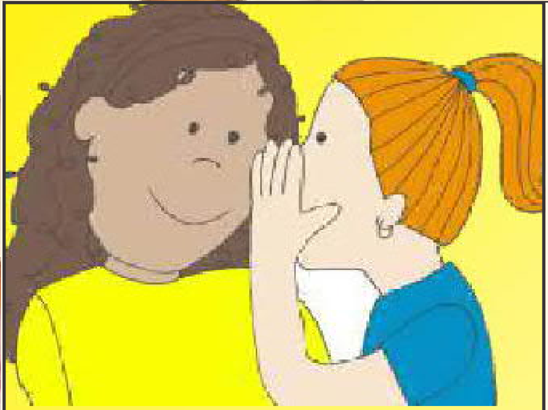

غیبت

قرآن میں ہے کہ غیبت کرنا گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ آج ہم جہاں بیٹھتے ہیں غیبت شروع ہوجاتی ہے لہٰذا میں 'بچوں کی دنیا' پڑھنے والوں سے گذارش کرتی ہوں کہ اس گناہ کبیرہ کو منہ نہ لگائیں۔ دوسروں کے عیب کو چھپانے کی کوشش کریں اور غیبت نہ کریں۔ حکم خداوندی پر عمل کریں۔ اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔ غیبت کرنے والوں کا دل کالا ہوجاتا ہے، ان پر مصیبتیں آتی ہیں۔ جن کے دلوں میں خدا کا ڈر ہے وہ غیبت سے بچتے ہیں۔

■

Sayyeda Areeba Nayab Sy. Muniruddin
Fatima Girls High Urdu School (MS)

سعدیہ پروین

ہرنی کا بچہ اور شیر

ایک جنگل تھا۔ اس جنگل میں چھوٹے بڑے، ہر طرح کے جانور رہتے تھے۔ اس جنگل میں ایک ہرنی بھی اپنے تین پیارے بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ ہرنی جہاں بھی جاتی بچے اس کے ساتھ جاتے، ایک دن ہرنی نے بچوں سے کہا 'پیارے بچو! میں آج جنگل کے آخری حصے کی طرف گھاس لینے جو رہی ہوں، اسی لیے تم سب گھر پر ہی رہنا۔ باہر مت جانا۔

ہرنی کا چھوٹا بچہ بہت شرارتی تھا۔ اسے جنگل میں گھومنا پھرنا بہت اچھا لگتا تھا۔ اسے جب بھی موقع ملتا گھر سے باہر نکل جاتا۔ ماں کے جاتے ہی وہ چپکے سے باہر نکلا اور چھپ کر ماں کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ کچھ دور آگے جانے پر طرح طرح کے پیڑوں، پھولوں اور چڑیوں کی چہچہاہٹ، بہتے ہوئے جھرنے کو دیکھ کر خوشی سے اچھلنے کودنے لگا۔ ہرنی آگے نکل گئی اور اس کا بچہ پیچھے ہی رہ گیا۔

جھرنے کے پاس ایک شیر پانی پی رہا تھا۔ اس نے جب ہرن کے بچے کو دیکھا تو اس کے منھ میں پانی آ گیا۔ من ہی من میں سوچا آج میں اسے ضرور کھاؤں گا یہ اکیلا بھی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے بچے کے پاس آکر بولا، کہو بیٹا کیا کر رہے ہو؟

آواز سن کر ہرنی کے بچے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو شیر کو دیکھ کر وہ بہت ڈر گیا۔ ڈر کے مارے وہ کچھ بول نہ سکا۔

شیر نے کہا گھومنے نکلے ہو؟ پھول، پیڑ، جھرنا یہ سب دیکھ کر خوش ہو رہے ہو۔ میں بھی تمھیں دیکھ کر بہت خوش ہو رہا ہوں۔ میں آج بھوکا ہوں اور تمھیں کھا کر اپنی بھوک مٹاؤں گا۔

ایک پل تو ہرنی کے بچے کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے پھر ڈرتے ڈرتے بولا، شیر انکل ابھی تو میں بہت چھوٹا ہوں۔ مجھے کھا کر تو آپ کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا۔

شیر نے کہا، مجھے چھوٹے بچے بہت اچھے لگتے ہیں کیونکہ

ان کا گوشت نرم اور مزے دار ہوتا ہے۔ ہرنی کا بچہ اپنی جان بچانے کے لیے ترکیب سوچنے لگا۔ یکایک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔ انکل میں نے سنا ہے کہ مرنے والی کی آخری خواہش پوری کی جاتی ہے۔ ایسا میں نے اپنی ماں کو کہتے سنا ہے۔ تو انکل میں مرنے سے پہلے آپ کی خوبصورت آواز میں گانا سننا چاہتا ہوں۔ انکل پہلے مجھے گانا سنا دو پھر مجھے کھا لینا۔

شیر تھوڑا غصے میں بولا، مجھے گانا نہیں آتا گاؤں کیسے؟

بچہ معصومیت سے بولا، انکل آپ جھوٹ بول رہے ہو نا۔ مجھے میرے دوست نے بتایا کہ شیر انکل بہت اچھا گانا گاتے ہیں۔ اور تو اور میں نے اپنی ماں سے بھی آپ کی آواز اور گانے کی بہت تعریف سنی ہے۔

اپنی تعریف سن کر شیر بہت خوش ہوا، جیسے ہی شیر نے گانا شروع کیا ہرنی کا بچہ، بہت خوب...... کیا بات ہے انکل...... میں نے آج سے پہلے اتنا اچھا گانا اور آواز نہیں سنی۔

اپنی تعریف سن کر شیر خوشی کے مارے اور بھی جوش میں آ کر جھومتے ہوئے آنکھیں بند کر کے گانے لگا۔ شیر نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں ہرنی کا بچہ چپکے سے وہاں سے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ بھاگتے ہوئے من ہی من میں عہد کیا کہ آج سے وہ اپنی ماں کی ہر بات مانے گا کیوں کہ بات نہ ماننے کا نتیجہ اس نے دیکھ لیا تھا۔

■

Sadia Parveen
Research Scholar, Dept. of Urdu
Aligarh Muslim University
Aligarh - 202001 (UP)

سید مرتشی سید خالق

اقوالِ زریں

- انسان خود غرض ہو جائے تو اچھے برے کی تمیز بھلا بیٹھتا ہے۔
- زیادہ بولنے والا انسان بے وقوف ہوتا ہے۔
- ادب لوگوں کے لیے ڈھال ہے۔
- توبہ کرنا آسان ہے لیکن گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔
- کوئی خوبی انسان سے زیادہ عظیم نہیں ہوتی۔
- حالات انسان کو نہیں انسان حالات کو سنوارتے ہیں۔
- وقت ایک ایسا دریا ہے جس کے کنارے نہیں ہوتے۔
- سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو دوست بن کر دھوکا دے۔

■

Syed Murtasha Syed Khaliq
Al-Hasnat Urdu High School
Rasulpur, Talluqa Raweer
Distt.: Jalgaon - 425508 (Maharashtra)

شمائلہ گل نجمی

کسوٹی

کسی ریاست میں ایک غریب شخص نے مرتے وقت اپنے اکلوتے بیٹے کاشف کو دو ہیرے دیے اور کہا کہ یہ ہیرے دیکھنے میں ایک جیسے ہیں مگر اس میں ایک اصلی ہے اور ایک نقلی ہے۔

کچھ دنوں کے بعد کاشف دونوں ہیرے لے کر اس ریاست کے بادشاہ کے پاس گیا اور شرط رکھی کہ آپ کے دربار میں اگر کوئی اس ہیرے کے اصلی اور نقلی کا فرق بتائے تو ہیرے کو آپ کے خزانے میں جمع کرا دوں گا اور اگر کوئی فرق نہیں بتا سکا تو آپ کو اس ہیرے کی قیمت مجھے دینی پڑے گی۔

مگر کوئی بھی اصلی نقلی کا فرق نہیں بتا سکا۔ کاشف کئی ریاستوں میں گھوم گھوم کر اپنی یہی شرط رکھ کر ڈھیر ساری دولت لے کر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک چھوٹی سی ریاست ملی۔ جاڑے کے موسم میں بادشاہ نے اپنا دربار کھلے میدان میں ہی لگا رکھا تھا۔ درباری دھوپ سینک رہے تھے۔

کاشف نے وہاں کے بادشاہ کے سامنے یہی شرط رکھی مگر کوئی بھی درباری اپنی بے عزتی کے خیال سے اٹھ کر سامنے نہیں آیا مگر اس میں سے ایک نابینا شخص اٹھا اور آگے بڑھ کر کہا مجھے ایک موقع دیا جائے۔ سبھی لوگ حیرت سے اس نابینا شخص کو دیکھنے لگے اور سوچنے لگے یہ کیسے پہچان کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے نابینا شخص کو اجازت دے دی۔ اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہیروں کو اپنے ہاتھوں سے چھوا اور ایک کو اٹھا کر کہا یہ اصلی ہے۔ کیونکہ یہ دھوپ میں بھی ٹھنڈا ہے اور جو نقلی ہے وہ دھوپ کی گرمی سے گرم ہو چکا ہے۔

پیارے بچو! اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اچھے لوگ برے حالات میں بھی ہیرے کی مانند ٹھنڈے رہتے ہیں اور برے لوگ حالات کا مقابلہ نہ کر کے جلد ہی گرم ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں مشکل حالات میں بھی خود پر قابو رکھنا چاہیے اور حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

■

Shumaaila Gul Najmi
Shahi Mohalla, Dak Khana Kulti
Distt: Pachchim Barduwan (WB)

■ صدف بیگم

تربوز

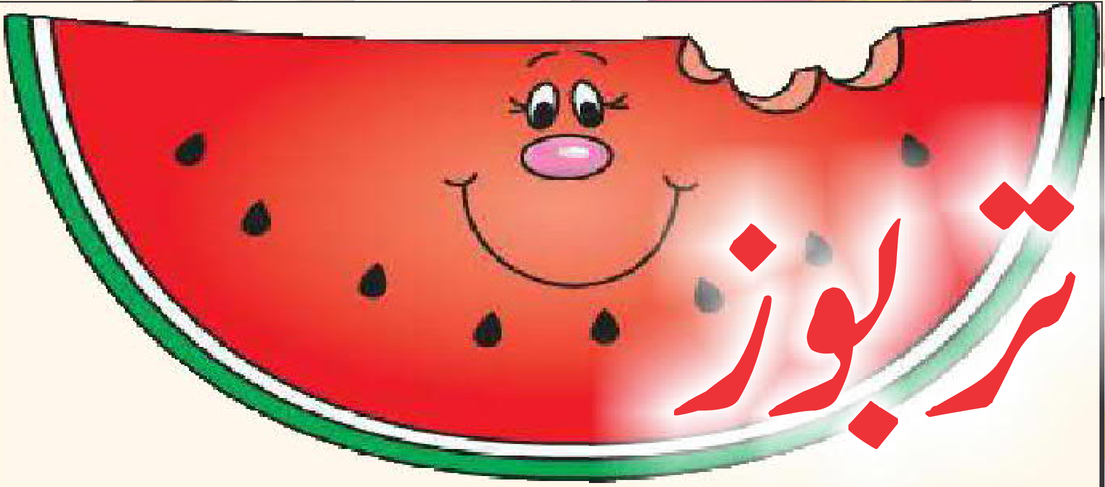

تربوز مزاج کے لحاظ سے سرد اور تر ہے اس لیے گرمی کو دور کرتا ہے۔ صحت بخش پانی سے لبریز اس پھل کا گودا سرخ و نرم اور بیج کالے یا سفید ہوتے ہیں۔ تربوز کچا ہو تو اس کے بیج اور گودا سفید ہوتا ہے۔ اس کا گودا براہِ راست کھایا جاتا ہے اور جوس میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گرمیوں کے موسم میں اس کا استعمال بہت فائدے مند ہے۔ جسم کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے اور پیاس کو دور کرتا ہے۔ اس وجہ سے یہ جگر کے لیے بھی مفید ہے۔ یرقان کے مریض کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ اطبا کے مطابق تربوز کھانے کے بعد پانی نہیں پینا چاہیے۔ اسے کھانے سے پہلے بھی نہیں کھانا چاہیے۔ اسے چاول کے ساتھ بھی نہیں کھانا چاہیے۔ تربوز پر سفید زیرہ، سیاہ مرچ اور نمک کا سفوف چھڑک کر کھانے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ کھل کر پیشاب لانے کی وجہ سے ہائی بلڈ پریشر میں بھی مفید ہوسکتا ہے۔ تربوز کا جوس بدن کو طاقت دیتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر کو نارمل کرتا اور دل و دماغ کو قوت دیتا ہے۔ پیلیا کا علاج ہے، بڑھی ہوئی تلی کو ٹھیک کرتا ہے۔ ہاضمہ ٹھیک کرکے بھوک بڑھاتا ہے۔ پرانے سے پرانے درد سے نجات دلاتا ہے۔ متلی، قے اور صفرا پر قابو پاتا ہے۔ اعصاب کو پرسکون کرتا ہے۔ ذہنی طاقت بڑھاتا ہے۔ خوف جیسی ذہنی کیفیت کی اصلاح کرتا ہے۔ جسم کو ٹھنڈا رکھ کر شدید دھوپ کے موسم کے منفی اثرات سے بچاتا ہے۔ اس کا جوس خوش ذائقہ، ہلکا پھلکا اور ہاضم ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پینا مناسب رہتا ہے۔ 400 ملی لیٹر کے قریب تربوز کا پانی پینا گرمی کی شدت کے خلاف موثر ڈھال بن جاتا ہے۔ ایک گلاس تربوز کا پانی صبح کے وقت پینے سے گردوں کی کارکردگی موثر اور معمول کے مطابق رہتی ہے۔ تربوز کا جوس کسی برتن میں ڈھانپ کر رات بھر کھلی جگہ میں رکھیں اور صبح کے وقت اس میں تھوڑی سی چینی ملا کر پئیں۔ پیشاب اور اس سے گردے کے امراض میں شفا ہوگی۔ موسم گرما کی شدت میں اگر تیز دھوپ کے دوران باہر نکلنا پڑے تو پہلے تربوز کا ایک گلاس جوس پی لیں۔ تربوز کے ایک گلاس جوس میں تھوڑا سا کالا نمک اور کالی مرچ ملا کر صبح اور پھر دوپہر کے کھانے کے بعد پینا، نظام ہضم کو تقویت دیتا ہے۔

تربوز کے بیج بھی کئی فوائد رکھتے ہیں۔ یہ بیج قوت بخش

ہوتے ہیں۔ تربوز کے بیجوں میں ایک مادہ (Cucurbocitrin) پایا جاتا ہے جو خون کی نالیوں کو کشادہ کرتا ہے چنانچہ تربوز کا بیجوں سمیت استعمال یا الگ سے بیجوں کا استعمال خون کی نالیوں کو بلڈ پریشر کے مزید نقصانات سے بچا لیتا ہے۔ انھیں لچک دار اور کشادہ رکھ کر خون کے بہاؤ میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ ان کا استعمال ہائی بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے۔ باریک رگوں کی سختی دور ہو کر ان کی لچک قائم رہتی ہے۔ بیجوں کو کوٹ کر شکر سرخ ملا کر استعمال کرنے سے پیشاب کی سوزش دور ہو جاتی ہے۔

اگر کسی پر گرمی اور لو کا اثر ہو چکا ہو تو ایسے مریضوں کو بیجوں کا سفوف یا تازہ جوس کے ساتھ کالا نمک ملا کر دیں جس سے گرمی اور لو کے تمام تر منفی اثرات زائل ہو جائیں گے۔ پیشاب کا اخراج معمول پر آ جائے گا، جسم میں نمک اور پانی کا توازن درست ہو جائے گا اور بخار اترنے کے علاوہ دیگر علامات ختم ہو جائیں گی۔

جہاں تربوز بکثرت پیدا ہوتے ہیں وہاں بیجوں کو کوٹ کر ان کی روٹی پکا کر بھی کھائی جاتی ہے۔ سو گرام تربوز میں 21 حرارے اور پروٹین نہ ہونے کے برابر، 5 گرام نشاستہ اور ایک گرام ریشہ (پھوک) پایا جاتا ہے۔ تربوز کے کیمیائی اجزاء میں پروٹین، کاربوہائیڈریٹس، شوگر، فاسفورس اور کیلشیم نمایاں مقدار میں ہوتے ہیں۔ تربوز میں آئرن کا جزو بھی معقول مقدار میں پایا جاتا ہے۔ (مرسلہ)

■

Sadaf Begum Shaikh Irfan
Class VIII (H), Fatima Girls Urdu High School, Begum Pura
Aurangabad (Maharashtra)

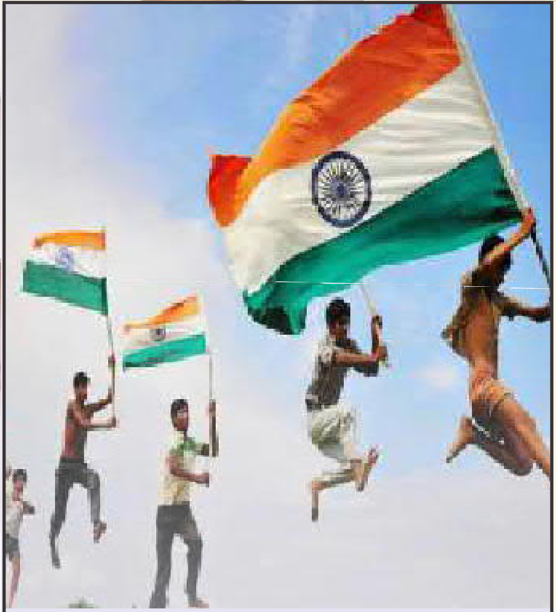

ہماری آزادی

دنیا کے آزاد ملک اپنے آزاد ہونے کا جشن مناتے ہیں۔ 15 اگست ہماری آزادی کا دن ہے۔ 15 اگست کو ہمارا ملک آزاد ہوا۔ دراصل یہ دن ان بہادروں اور وطن پر مر مٹنے والوں کی یادگار بھی ہے جنھوں نے انگریزی حکومت کے ہر ظلم و ستم کو گوارا کیا لیکن اپنے ارادوں میں اٹل رہے۔ اس آزادی کے لیے ملک کے سیکڑوں سپوتوں کے سینے انگریزوں کی گولیوں سے چھلنی ہو گئے۔ یہ لڑائی نہایت اہم تھی اور اسی جنگ کے بعد ہمارے ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔

■

Mohd Shoib Ibne Mohd Saleem
Subhash Showk
Mangrol Peer (Maharashtra)

انصاری افشاں زرّیں

رازِ فتح

خرگوش اور کچھوے کی دوڑ نے مینڈکوں میں بھی جوش بھردیا۔خون تیزی سے رگوں میں گردش کرنے لگا۔آخرکار فیصلہ ہوہی گیا۔دلدلی تالاب کے کنارے کوابتدائیہ اور بوڑھے برگد کواختتامیہ قرار دیا گیا۔

سنہری دھوپ کی چھایا میں دوڑ کا آغاز ہوا۔ ہر عمر کے مینڈک شامل تھے۔ دادا چنٹو اپنی گول گول آنکھیں مٹکاتے ہوئے،داڑھیوں میں خلال کرتے کسی غیرمرئی نقطے کوتک رہے تھے۔جوش نے احساس بزرگی پر برتری حاصل کرلی تھی۔پنٹو دادی نے ریس میں حصہ لینے سے سختی سے منع کیا تھا لیکن اس سارہ زندگی میں بھلا کبھی بیوی کی سنی تھی جو اب سنتے!

مینڈکوں کی اس بھیڑ میں ایک سبز،سنہری آنکھوں والا مینڈک پھدک رہا تھا۔ چہرے پہ انتہائی بیزار کن تاثرات عیاں تھے۔ یوں لگتا تھا کہ آس پاس کے شور سے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

ڈھول پیٹی گئی اورتوپ کی سلامی کے ساتھ ریس کا آغاز ہوا۔ببّی انکل قریب قریب تیس پینتیس سال کے تھے۔مضبوط اعصاب،قوی پٹھوں کے ساتھ دوڑتے گئے۔لوگوں کو پچھاڑ کر چند کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔برگد کا پیڑ ایک نقطے کی مانند نظر آرہا تھا۔حوصلہ ہارا اور رک گئے!ببی جیسے جوان کو رکتے دیکھ کراور بھی بہت سوں نے تقلید کی۔وہ چھوٹا مینڈک دوڑتا رہا لوگوں نے تنبیہ کی کہ جب نوجوانانِ قوم نے ہمت ہاردی تو تمھاری کیا بساط؟

اس کے ساتھ کچھ عزم کے پکے دوڑتے رہے یہاں تک کہ آدھا فاصلہ طے کرلیا۔زبانیں باہر کونکل آئیں،تھکاوٹ در آئی اور پھر عقل سلیم نے فیصلہ دے دیا ٹھہراؤ کا!پھر چند کے قدم تھم گئے۔چھوٹا مینڈک دوڑتا رہا۔لوگوں نے دوبارہ روکنا چاہا کہ بچے تم سے قوی شرکاء مقابلہ سے ہٹ گئے ہیں،تم بھی رک جاؤ ورنہ منہ کی کھاؤ گے!

دوڑے دوڑتے برگد کا پیڑ واضح نظر آنے لگا لیکن سکت نہ تھی کہ چند کلومیٹر اور دوڑ لیں۔سارے لوگ ہمت ہار گئے لیکن وہ مسلسل دوڑتا رہا۔لوگوں نے بہت آوازیں لگائیں۔ بہت کہا کہ ٹھہر جا!تو اس میں تنہا باقی بچا ہے،پیڑ تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ لیکن نہیں۔ بالآخر اس نے اپنی منزل پالی۔ برگد کے پیڑ کی چھاؤں میں آکر اس نے سورج کی تپتی کرنوں میں کھڑے حیران لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا ”میں فاتح ہوں کیونکہ میں بہرا ہوں!؟“

جی ہاں! وہ سبز وسنہرے رنگوں کے امتزاج والا مینڈک بہرا تھا۔یہی وجہ تھی کہ لوگوں کے روکنے کے باوجود وہ نہیں رکا اور......اور جیت گیا۔

زندگی کے سفر میں بھی لوگ بہت سی رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں۔اگر ایک شخص عروج پر جانا چاہتا ہے تو چاروں طرف سے لوگ اس کی ٹانگ کھینچنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

پس ان آوازوں کے لیے اپنے کانوں کو بند کرلیجیے تاکہ ناکام آپ کو کامیاب ہونے سے روک نہ سکیں!

■

Ansari Afshan Zarrin
Ghari : 5-2, Somwar Ward,
Near Sardar Market
Malegaon - 423203 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہو گئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات آئندہ شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

الیکشن مہم کے دوران ایک امیدوار نے تقریر کرتے ہوئے کہا ”خواتین و حضرات! جو کل گزر گیا وہ ماضی تھا اور آنے والا مستقبل ہے۔ گزرے ہوئے کل اور ماضی کو بھول جائیے، ماضی کی ہر بات بھول جائیے۔“

سامعین میں سے ایک آواز آئی: ”لیکن میرے پچاس ہزار روپے مت بھولنا جو تم نے ماضی میں اُدھار لیے تھے۔“

مرنے کے بعد ایک شخص کو جہنم میں لے جایا گیا۔ فرشتے نے اُسے جہنم کے تین درجے دکھائے اور کہا کہ جو درجہ تم پسند کرو تمھیں اسی میں ڈال دیا جائے گا۔ پہلے درجے میں گناہ گار لوگ پتھروں پر سر کے بل کھڑے تھے۔ دوسرے درجے میں گناہ گار کانٹوں میں سر کے بل کھڑے تھے۔ تیسرے درجے میں لوگ کیچڑ میں کھڑے چائے پی رہے تھے۔

اُس شخص نے تیسرے درجے کو پسند کیا اور فرشتے نے اسے اس درجے میں پہنچا دیا۔ جب وہ شخص وہاں پہنچا تو ایک بڑا فرشتہ آیا اور بولا ”چلو بھئی، چائے کا وقفہ ختم۔ سب سر کے بل کھڑے ہو جاؤ۔“

عورت (دکان دار سے) ”تم نے ساڑی کی پورے ایک سال کی گارنٹی دی تھی لیکن یہ تو صرف چار ماہ بعد ہی خراب ہوگئی۔“

دکان دار: ”بیگم صاحبہ! یہ پورے ایک سال چلی ہے۔ چار ماہ آپ کے پاس اور آٹھ ماہ میری دکان پر۔“

ایک شخص کو اپنی فضول خرچی کا احساس ہوا تو اس نے بچت کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ اس روز وہ دفتر سے گھر جانے کے لیے بس میں سوار ہونے کی بجائے بس کے پیچھے بھاگتا ہوا گھر پہنچا اور ہانپتا ہوا بیوی سے بولا: ”دیکھو! آج میں گھر تک بس کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا ہوں، اس طرح ایک روپے کی بچت ہوگئی۔“

بیوی نے منہ بنا کر کہا ”ایک روپے کی بچت بھی کوئی بچت ہے، اگر کسی ٹیکسی کے پیچھے بھاگتے تو پورے دس روپیوں کی بچت ہوتی۔“

ایک شخص کے سر پر بال بہت ہی کم تھے، گویا وہ گنجا تھا۔ ایک دوست نے پوچھا ”یار! تمھیں اس گنجے پن سے تکلیف تو ہوتی ہوگی؟“

”نہیں۔“ گنجے نے جواب دیا ”بس منہ ہاتھ دھوتے وقت یہ پتہ نہیں چلتا کہ ماتھا کہاں تک ہے۔“

تسمیہ حسین

علم کی اہمیت

انسانوں کی روح بغیر علم کے اس پتھر کی مانند ہے جب تک سنگ تراش اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اس کا دھندلا اور کھردرا پن دور نہیں ہوتا۔ اس کو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا۔ اس کو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کے جوہر اسی پر چھپے رہتے ہیں اور اس کی خوش نمانسیں اور دل ربا رنگتیں اور خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ علم کا اثر نہیں ہوتا۔ اس وقت تک ہر نیکی اور خوبیاں جو اس میں چھپی ہوتی ہیں ظاہر نہیں ہوتیں۔

علم کی اہمیت ہماری زندگی میں بہت معنی رکھتی ہے۔ علم نہیں تو کچھ نہیں۔ علم سے ہی ہماری زندگی گلزار ہے۔ علم سے ہی ہماری زندگی آباد ہے۔ علم سے ہی ہماری عزت ہے۔ علم سے ہی ہماری زندگی کو چار چاند لگتے ہیں۔ دین و دنیا کے لیے علم بے حد ضروری ہے۔ علم ایک ایسا سمندر ہے جس کی چوڑائی اور لمبائی کی کوئی انتہا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس کے پاس دولت ہے وہ امیر ہے مگر اصل میں تو جس کے پاس علم ہے وہ سب سے بڑا امیر ہے۔ ایک پڑھا لکھا انسان اور ایک ان پڑھ انسان میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ علم ایک ہنر ہے۔ علم کے بل پہ تخت ہے اور عسم کے بل پہ ہی تاج ہے۔ زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے علم کا حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر، پائلٹ، سائنس داں، وکیل ہر ایک بننے کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ملک کی ترقی کے لیے ہر ایک کا علم حصل کرنا ضروری ہے۔

پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے
بغیر علم کے پہچان سکتے نہیں خدا کیا ہے
علم کے بغیر زندگی ادھوری ہے
دین و دنیا کے لیے علم ہی ضروری ہے

اس کا مطلب کہ علم کے ذریعے ہی ہم خدا کو پہچان سکتے ہیں۔ خدا کو جان سکتے ہیں۔ حضورؐ نے بھی کہا ہے ''علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے''۔ یعنی پہلے سے لے کر آج تک بھی علم کی بہت اہمیت رہی ہے۔ چاہے وہ علم کسی زبان میں ہی کیوں نہ ہو۔ علم سب کے لیے ضروری ہے۔ اگر ہماری زندگی میں ہمارے پاس علم نہیں تو ہماری زندگی نہیں۔ علم حصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی:

علم ایسی شے ہے جو بکتی نہیں کبھی
خرچ کرنے سے گھٹتی نہیں کبھی

اب دولت ہی دیکھو! خرچ کرنے سے گھٹتی ہی جاتی ہے اور علم جتنا خرچ کریں گے بڑھتا جاتا ہے اور علم کے لیے جتنا پیسہ خرچ کرو محفوظ رہتا ہے۔

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال
تو غائب ہوا جہاں سے وہاں آیا زوال
ان پر ہوئے غیروں کے خزانے مفتوح
جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

Tasmia Husain
Class: VIII
Sarkari Urdu Madarsa Number 2 Bel Hongle

بشریٰ شیخ ذاکر

غلطی کا احساس

عرفان اپنی فیملی میں ایک ہی ایسا لڑکا تھا جو بارہویں جماعت میں پڑھ رہا تھا۔ وہ بائک چلانے کا پہلے ہی سے شوقین تھا لیکن کالج کے لڑکوں کو بائک پر آتے دیکھ کر اس کا شوق اور بڑھ گیا۔ عرفان نے اپنے ماں باپ سے ایک بائک دلانے کی ضد کی۔ پہلے تو والد صاحب نے صاف منع کر دیا لیکن عرفان کے بہت ضد کرنے پر انھوں نے اسے ایک بائک خرید کر دے دی۔ اس نے اپنے دوستوں کے ذریعے بائک چلانا سیکھا۔ سیکھتے سیکھتے وہ ماہر ہوگیا اور بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ وہ کالج بھی تیز رفتاری سے جاتا۔ اس کے والدین نے اسے سمجھایا، منع کیا، سبق سکھایا کہ تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرنے کا نتیجہ بہت برا ہوتا ہے لیکن وہ ان کی باتوں کو ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔

ایک دن وہ کالج کے لیے نکلا۔ وہ اس دن بھی تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ عرفان کی بائک کے بالکل سامنے تھوڑی دوری پر ایک ریتی سے بھرا ہوا ٹرک بھی چل رہا تھا۔ وہ تیزی سے اوور ٹیک کرتا ہوا آیا اور ٹرک سے ٹکرا کر سڑک پر گرتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ فوراً بھیڑ اکٹھا ہوگئی۔ وہاں جمع کچھ لوگوں نے عرفان کی جیب تلاش کی۔ انھیں اس کی جیب سے ایک شناختی کارڈ ملا۔ انھوں نے اس کا نام پتہ اس پر دیکھا۔ ایک شخص نے اس کے گھر پر خبر کردی اور اسے اسپتال لے گئے۔ جانچ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی ہڈی میں فریکچر ہے۔ ڈاکٹر نے یہ بات عرفان کے والدین کو بتائی اور اسے لمبی مدت کے لیے آرام کرنے کو کہا۔ اس طرح اس کا بارہویں کا پورا سال بے کار ہوگیا۔ تب اسے سمجھ میں آیا اور اس نے اپنی اس غلطی سے سبق لیا کہ ہمیں کبھی بھی، کہیں بھی، کسی بھی وقت، کتنے بھی ضروری کام کرنے کے لیے تیز رفتاری سے ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہیے۔ ■

Bushra Shaikh Zakir
Subhash Nagar
Shepur, Distt.: Dhulia (Maharashtra)

سمرن بنی ویٹنگھی، درجہ نہم رضا حسین اردو ہائی اسکول، بھساول (مہا راشٹر)

شاہ نوشین نور محمد، درجہ پنجم، بھیونڈی نظام پور شہر میونسپل، کارپوریشن اسکول نمبر 6، مہاراشٹر

عیا عزیز شاہ، درجہ چہارم، چودھری شیخ منابی
اردو پرائمری اسکول، اندرانگر، باجیپورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

انصاری رضوان علی محمد زبیر، درجہ پنجم، آئیڈیل انگلش میڈیم اسکول، شہادہ

منیار مزمل فاروق، درجہ پنجم، ژیڈ پی اردو اسکول، نمبر 2، دھولے، مہاراشٹر

منیار عرشیہ اسلم، درجہ پنجم، ژیڈ پی اردو اسکول، نمبر 2، دھولے، مہاراشٹر

قریشہ اقراء مشتاق، درجہ پنجم
ژیڈ پی اردو اسکول، نمبر 2، دھولے، مہاراشٹر

محمد میران خان سلیم خان، درجہ دہم، بی ژیڈ اردو ہائی اسکول، اینڈ جونیئر کالج بھساول، مہاراشٹر

امرینا امتیاز لارا، درجہ پنجم، فیضان پبلک اسکول، کنج باغ، بارہ مولہ، (جموں وکشمیر)

نور بانو، درجہ ہفتم، ژیڈ پی اردو اسکول، نمبر 2، دھولے، مہاراشٹر

جویریہ، درجہ پنجم (اے)، ریان انٹرنیشنل اسکول، شاہجہانپور، یوپی

عرشیہ بی شیخ رئیس، الحسنات ہائی اردو اسکول رسلپور، راویر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

میرا نام شفقہ حسن ہے۔ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سینئر سیکنڈری اسکول کی طالبہ ہوں۔ مجھے بچوں کی میگزین خاص کر 'بچوں کی دنیا' اور ماہنامہ 'امنگ' پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' کا انتظار رہتا ہے۔ یہ میگزین ہم جیسے بچوں کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔ 'بچوں کی دنیا' میں مضامین، کہانیاں اور نظمیں مجھے بہت پسند آتی ہیں۔ کبھی کبھی میں غلطی سے کلاس میں لے کر چلی جاتی ہوں۔ میرے کلاس کے ساتھی بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ سب مانگ کر پڑھتے ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے واپس بھی نہیں مل پاتی۔

شفقہ حسن، ایف 135، شاہین باغ، جامعہ نگر، نئی دہلی

مارچ کے شمارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے بارے میں پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔ میں ان کی 'آپ بیتی' کوئی چار پانچ مرتبہ پڑھ چکی ہوں۔ کتابوں سے ان کی محبت، وقت کی پابندی اور دیگر بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن سے ہم بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ نیز ڈزنی لینڈ پڑھ کر مزہ آگیا اور میرے دل میں بھی اس کی سیاحت کا شوق جاگ اٹھا ہے۔ خوابوں کی دنیا، یا پھر جادوئی دنیا، جو بھی کہیں بہرحال مجھے وہ مضمون پڑھتے ہوئے ایسا لگا جیسے میں واقعی ڈزنی لینڈ کی سیر کر رہی ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' پورے کا پورا ہماری پسند کے مطابق سجا ہوا ہوتا ہے۔

سحر اسعد، جامعہ رحمانیہ، مدنپورہ، وارانسی

انکل! میرا نام اریب احمد ہے۔ میں درجہ نرسری کا طالب علم ہوں۔ میرے اسکول کا نام اسکالر اسکول ہے۔ ابھی میں 'بچوں کی دنیا' خود سے پڑھ نہیں پاتا ہوں لیکن میرے گھر رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہر ماہ پابندی سے دستیاب ہو جاتا ہے۔ میری بڑی بہن مریم مجھے اس کی کہانیاں اور نظمیں پڑھ کر سناتی ہے اور اس میں شائع ہونے والی پینٹنگ اور تصویر مجھے بے حد پسند آتی ہیں۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

اریب احمد، اسکالر اسکول، درجہ نرسری، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی

میرا نام عرشی فیروز ہے۔ میں درجہ اول میں پڑھتی ہوں۔ اسکول میں اردو کی پڑھائی نہیں ہوتی۔ گھر پر ابو اور امی اردو پڑھاتے ہیں۔ میرے ابو ہر مہینے 'بچوں کی دنیا' لاتے ہیں۔ یہ رسالہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس میں دی گئی کہانیاں اور نظمیں بہت ہی عمدہ ہوتی ہیں۔ میرے ابو اردو کے ایک ادارے میں کام کرتے ہیں۔ ہم لوگ اردو کی ہی روٹی کھاتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہماری اردو زبان ساری دنیا میں پھیل جائے۔

عرشی فیروز، درجہ اول، دی اسکالر، اسلام پور، اتر دیناج پور، مغربی بنگال

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

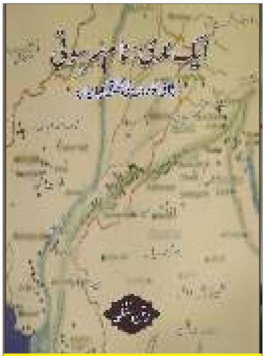

صفحات:319، قیمت:150 روپے

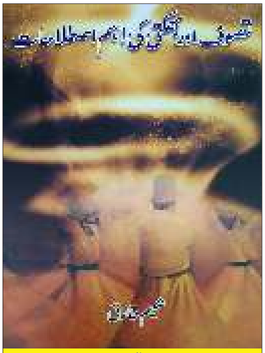

صفحات:411، قیمت:185 روپے

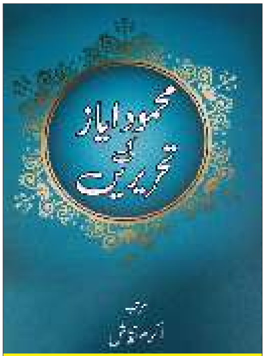

صفحات:619، قیمت:275روپے

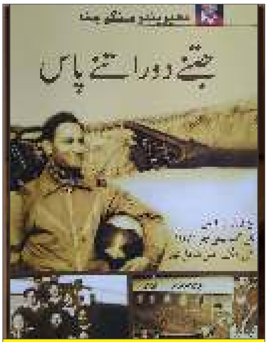

صفحات: 289، قیمت: 140 روپے

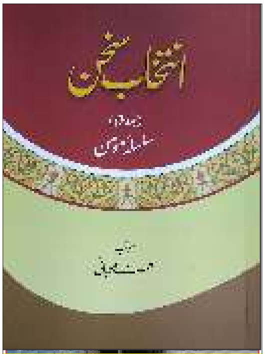

صفحات: 326، قیمت: 155 روپے

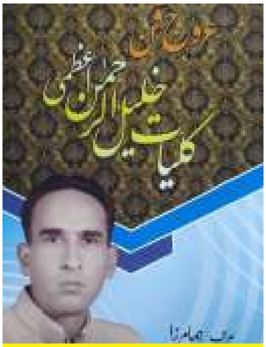

صفحات:260، قیمت:145 روپے

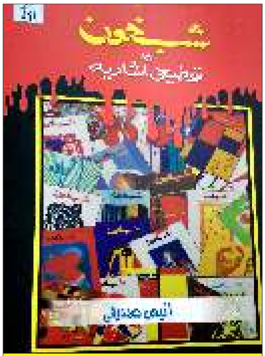

صفحات: 1374، قیمت: 530 روپے

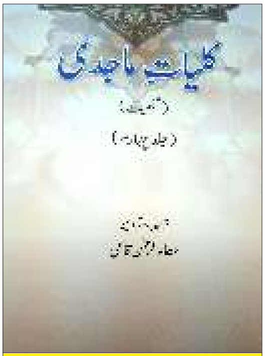

صفحات: 527، قیمت: 230 روپے

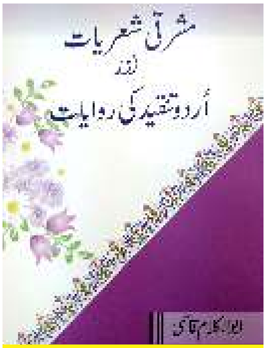

صفحات:382، قیمت: 170 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, August 2018, Vol. 06, Issue: 08
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/07/18
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

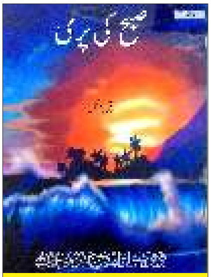

صفحات: 33، قیمت: 16 روپے

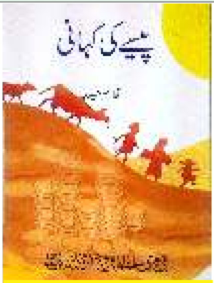

صفحات: 80، قیمت: 22 روپے

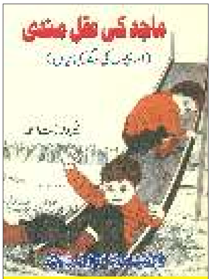

صفحات: 149، قیمت: 24 روپے

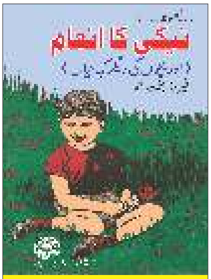

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

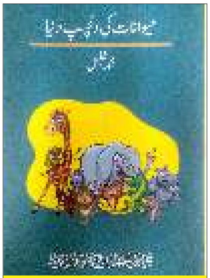

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

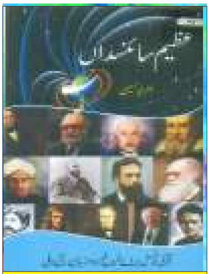

صفحات: 63، قیمت: 16 روپے

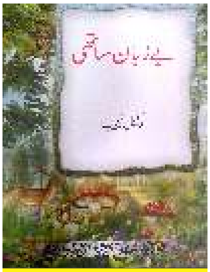

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.